دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۸۶ ماہ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ماہ دسمبر ۲۰۱۰ء عدد ۶

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر: ۱۹

شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)

پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

شذرات

ڈاکٹر عمر خالدی ۲۹ نومبر کو بوسٹن میں ایک حادثہ میں جاں بحق ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے انتقال سے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل پر سنجیدہ علمی تحقیق کے میدان میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی صورت حال اوران کو درپیش مسائل پر جس انداز اور معیار کا تحقیقی کام انہوں نے انجام دیا وہ غیر معمولی ہے۔ وہ ایک مدت سے ان مسائل سے بہت دور امریکہ میں مقیم تھے اور وہاں ایک باوقار ادارہ سے وابستہ تھے۔ مادی نقطہ نظر سے ایک پر مسرت اور مطمئن زندگی گذارنے کے لیے ان کو وہ سب کچھ حاصل تھا جس کی عام طور پر تمنا کی جاتی ہے۔ لیکن اس آسودگی اور فارغ البالی کو انہوں نے زندگی کا مقصد اور مطمح نظر نہیں بنایا بلکہ دستیاب وسائل کو ایک بڑے مقصد کے حصول کے لیے استعمال کیا جوان کو بہت عزیز تھا اور دراصل جس سے ان کی زندگی عبارت تھی۔ وطن عزیز میں مسلمانوں کی صورت حال پر ان کا دردمند اور حساس دل بے قرار رہتا تھا اور ان پر گذرنے والے نامہربان موسموں کی تپش وہ وہاں محسوس کرتے تھے۔ اس صورت حال پر کڑھنے اور زمانے کا شکوہ کرنے کے بجائے انہوں نے یہ طے کیا کہ دنیا کے سامنے ایک ایسا آئینہ رکھ دیا جائے جس میں ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل اوران پر گذرنے والے آلام ومصائب کی صحیح تصویر نظر آجائے۔ چنانچہ انہوں نے اس مسئلہ کو اپنی تحقیق وجستجو کا موضوع بنایا اور یہ کام اس دیدہ ریزی اور ژرف نگاہی سے انجام دیا کہ اس سے زیادہ کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ان کی تحقیقات پختہ اور ناقابل تردید دلائل وشواہد پر استوار ہوتی تھیں۔ یہ بڑا مشکل کام تھا لیکن وہ اس کے صبر آزما تقاضوں سے بڑی کامیابی سے عہدہ برا ہوئے۔ یہ ان کی دردمندی اور لیاقت دونوں کا ثبوت ہے۔ اس طرح ہندوستانی مسلمانوں سے متعلق ایک نیا لٹریچر سامنے آیا۔ اس کا پورا کریڈٹ عمر خالدی کو جاتا ہے۔

ڈاکٹر عمر خالدی ۱۹۵۳ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت سے پانچ سال پہلے ریاست حیدرآباد کا انڈین یونین میں انضمام ہو چکا تھا۔ پولس ایکشن کے نتیجہ میں وہاں کی مسلم آبادی ابتلاو آزمائش کے جس دور سے گذری تھی اس کے اثرات ابھی وہاں کی فضا میں باقی رہے ہوں گے۔ اسی فضا میں انہوں نے احساس وشعور کی آنکھیں کھولیں اور ممکن نہ تھا کہ ان کا تاثر پذیر دل ودماغ اس سے متاثر نہ ہوتا۔ اپنی آیندہ زندگی میں انہوں نے جو کام کیے اور جن مقاصد کے لیے اپنی توانائیاں صرف کیں ان کو

شاید کسی نہ کسی درجہ میں ان کے عہد طفولیت میں حیدرآباد میں پائی جانے والی فضا اور اس کے نتیجہ میں ان کے دل و دماغ پر مرتسم ہونے والے اثرات میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ان کی ابتدائی تعلیم حیدرآباد میں ہوئی اور اعلیٰ تعلیم امریکہ اور انگلینڈ میں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں کنگ سعود یونیورسٹی ریاض میں کام کیا پھر مستقل طور پر امریکہ منتقل ہوگئے اور میساچوسٹ انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی (MIT) سے وابستہ ہوگئے اور آخر تک وہیں رہے۔ علم و تحقیق کا ذوق والد ماجد سے ورثہ میں ملا۔ ان کے والد پروفیسر ابونصر محمد خالدی اسلامیات کے اچھے عالم اور عثمانیہ یونیورسٹی سے وابستہ تھے۔ ڈاکٹر عمر خالدی نے دو درجن سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ خاص طور سے ہندوستانی مسلمانوں سے متعلق ان کی کتابوں نے بڑا قبول عام حاصل کیا اور ان کے اثرات وسیع پیمانہ پر محسوس کیے گئے۔ ان کی ابتدائی کتابیں حیدرآباد سے متعلق تھیں۔ ان میں اسٹیٹ آف حیدرآباد آفٹر دی فال، (State of Hyderabad After the Fall) نے خاص طور سے بڑی شہرت حاصل کی۔ پولس ایکشن اور ریاست حیدرآباد کے انڈین یونین میں انضمام کے نتیجہ میں وہاں کی مسلم آبادی پر جو کچھ گذری اس کی داستان وقت کی گرد میں دب کر رہ گئی تھی اور منضبط انداز میں اس کی مکمل تصویر سامنے نہیں آسکی تھی۔ ڈاکٹر خالدی نے پنڈت سندر لال کمیشن کی رپورٹ کی روشنی میں پہلی بار اس کی تفصیلات سے دنیا کو آگاہ کیا۔ یہ کتاب ۱۹۷۸ میں شائع ہوئی تھی۔ گو حیدرآباد سے ان کی دلچسپی آخر تک قائم رہی اور انہوں نے اس تعلق سے کئی کتابیں تصنیف کیں اور اسی وجہ سے انہیں حیدرآباد کے سوانح نگار (Chronicler of Hyderabad) کے نام سے موسوم کیا گیا، لیکن پھر ان کی دلچسپی کا دائرہ ہندوستانی مسلمانوں اور ان کے مسائل تک وسیع ہوگیا۔ اس سلسلہ میں ان کی پہلی کتاب فسادات میں آرمی، پولس اور دوسرے پارا ملٹری دستوں کے کردار کے بارے میں تھی۔ Khaki and Ethnic violence in India: Army, Police, and Paramilitary Forces During Communal Riots. ۲۰۰۳ میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے متعلق مطالعات اور تحقیقات کے میدان میں ایک بڑی پیش رفت تھی اور مدتوں بحث و مباحثہ کا موضوع اور ہندو انتہا پسند تنظیموں کی شدید تنقید کی ہدف بنی رہی۔ اس سلسلہ کی ان کی دوسری بہت اہم کتاب Muslims in Indian Economy جو ۲۰۰۶ میں شائع ہوئی اپنے موضوع پر ایک دستاویز کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ ان کتابوں میں جو بات بھی کہی گئی ہے پختہ شواہد اور

دلائل کی بنیاد پر کہی گئی ہے۔ مختلف حکومتی اداروں کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف جس طرح امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے ان کتابوں کے ذریعہ اس کی ایک نہایت واضح اور موثر تصویر سامنے آجاتی ہے۔ ان کتابوں کے اثرات وسیع پیمانے پر محسوس کیے گئے۔ اگرچہ اس کا کھلے طور پر کبھی اعتراف نہیں کیا گیا لیکن یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ سچر کمیٹی کی طرف سے ملٹری میں ملازمت کرنے والے مختلف مذاہب کے پیروؤں کے عددی تناسب کے بارے میں جو معلومات دریافت کی گئی تھیں اس کی محرک دراصل ڈاکٹر عمر خالدی کی ثانی الذکر کتاب تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ فرقہ پرستوں کی زد پر رہے۔ انتقال سے کچھ دنوں پہلے آزادی کے بعد ملک میں اردو کے بارے میں پائی جانے والی صورت حال کے بارے میں برسوں کی محنت کے بعد ایک رپورٹ Urdu Report کے نام سے مرتب کی تھی۔ یہ رپورٹ انٹرنیٹ پر تو دستیاب کرادی گئی تھی لیکن ابھی شائع نہیں ہوسکی تھی۔ اس کتاب میں آزادی کے بعد سے اب تک اردو پر جو کچھ گذری اس کی تفصیل کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں اردو کی تعلیم و تدریس کی صورت حال کا اعداد و شمار اور معتبر دستاویزی شواہد کی روشنی میں بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا گیا ہے۔

ان مسائل پر وہ جرائد اور اخبارات میں بھی برابر مضامین لکھتے رہتے تھے۔ ان خالص علمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ وہ امریکہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی مختلف انجمنوں کے کاموں میں بھی پوری دلچسپی سے شریک ہوتے تھے۔ ابھی گذشتہ دنوں ۹-۱۰ اپریل ۲۰۱۰ کو انہوں نے MIT میں Group Violence, Terrorism, and Impunity - Challenges to Secularism and Rule of Law in India کے موضوع پر ایک کامیاب سیمینار کا انعقاد کیا تھا۔ راقم حروف کا ان سے ۲۰۰۲ سے ای میل اور فون کے ذریعہ رابطہ تھا۔ دارالمصنفین سے ان کو بڑا تعلق خاطر تھا۔ گذشتہ دنوں انہوں نے معارف کی پوری فائل منگوائی تھی۔ اس سلسلہ میں ان کے ذہن میں کوئی خاص منصوبہ تھا۔ ابھی جلد ہی کیمبرج یونیورسٹی کے اسلامی مخطوطات پروگرام (MITA) کے بورڈ آف ڈائرکٹرس پر ان کا تقرر ہوا تھا۔ اس منصوبہ کے تحت وہ دارالمصنفین میں محفوظ مخطوطات کی حفاظت اور دیکھ ریکھ کے لیے اس فنڈ سے گرانٹ منظور کرانے کے لیے کوشاں تھے۔ اگلے سال انہوں نے ملاقات کی ایک سبیل پیدا کی تھی لیکن اس سے پہلے ہی ان کا وقت موعود آگیا اور اب ان سے ملنے کی خواہش زندگی کی حسرتوں میں شامل ہوچکی ہے۔ اللھم ارحمه وادخله فسيح جناتك -

مقالات

تاریخ طبری میں سیرت نبویؐ کے مآخذ

پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سیرت نبوی کا ایک قدیم ماخذ امام طبری (محمد بن جریر بن یزید، ابو جعفر، ۸۳۹/۲۲۴-۹۲۲/۳۱۰) کی مشہور و مقبول تاریخ طبری ہے جس کا اصل عنوان: ''تاریخ الرسل والملوک'' اپنی جہات تاریخ نویسی کے لحاظ سے بہت معنی خیز ہے۔ بالعموم وہ ایک بنیادی ماخذِ سیرت و تاریخ سمجھا جاتا ہے اور متاخرین طبری کی روایات کو اصل ترسیل سمجھ کر نقل کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ امام موصوف کی ان روایات، احادیث، تنقیدات اور تشریحات میں اصل ماخذ ہے جن میں وہ اپنا قول درج کرتے ہیں۔ ایسے تمام بیانات کو وہ بالعموم ''قال ابو جعفر'' کے تشریحی فقرے سے خود یا ان کی تاریخ کے بعض رواۃ شروع کرتے ہیں۔ (طبری، تاریخ طبری، مرتبہ محمد ابوالفضل ابراہیم، دار المعارف مصر، قاہرہ ۱۹۶۲ء جلد دوم و سوم میں ابواب سیرت ہیں۔ ۲/۱۵۵-۱۶۶ اور ۲/۲۳۹ و مابعد؛ ۳/۱-۲۲۳ و مابعد؛ فواد سزگین، تاریخ التراث العربی، عربی ترجمہ محمود فہمی حجازی، ریاض ۱۹۸۳ء، التدوین التاریخی، مجلد اول۔ جزء ثانی ۲/۶۵-۱۷۷: سیرۃ الرسول ﷺ بالخصوص الطبری، ۲/۱۵۹-۱۶۸؛)

مگر سیرت نبوی کے باب میں خاص کر اور تاریخ خلافت کے معاملے میں عام طور سے تاریخ طبری خود بنیادی ماخذ نہیں ہے۔ وہ اپنے قدیم ترین مصادر سیرت اور مآخذ تاریخ کی روایات پر مبنی ہے جو امام موصوف نے اپنی سند سے روایت و نقل کی ہیں۔ ان میں امام ابن اسحاق کی سیرت کے علاوہ بعض دوسرے مصادر تحریری اور روایات تقریری دونوں ان کے اصل منابع

سابق صدر و ڈائریکٹر ادارہ علوم اسلامیہ، شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

علم ہیں۔ سیرت ابن اسحاق کی روایات ان میں غالباً سب سے زیادہ ہیں اس لیے اس کو سیرت نبوی کے باب میں ماخذ اصلی کہا جا سکتا ہے۔ اس اخذ و ترسیل میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ امام سیرت کے ایک راوی رشاگرد سلمہ بن الفضل الابرش بصری (م ۱۹۱/ ۸۱۷) کی روایت سیرت ابن اسحاق (recension) پر مبنی ہے جو ابن ہشام (عبدالملک م ۲۱۸/۸۳۳) کی روایت زیاد بن عبداللہ بکائی (م ۱۸۳/ ۷۹۹) کے علاوہ ہے۔ امام طبری نے ابن ہشام اور ان کے شیخ بکائی پر روایت سلمہ ابرش کو کیوں ترجیح دی یہ ابھی تک تحقیق طلب ہے۔ غالباً امام طبری کے نزدیک سیرت ابن اسحاق بروایت سلمہ الابرش زیادہ مستند تھی۔ (تاریخ طبری، مذکورہ بالا؛ مقدمہ محقق و مرتب ار؛ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیرۃ ابن اسحاق (مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی، اردو ترجمہ نور الٰہی ایڈوکیٹ، نقوش رسول نمبر لاہور جنوری ۱۹۸۵ء، بالخصوص محاکمہ ابن اسحاق ۱۱/۳۵۵ - ۳۹۵ میں یوحان فوک کی تحقیق نقل کی ہے کہ ابن اسحاق کی کتاب کے کم از کم پندرہ راوی تھے: ۱- اولین ابراہیم بن سعد مدنی تھے (۱۱۰/ ۷۲۸ -۱۸۴/ ۸۰۰)، پانچ کوفی رواۃ سیرت تھے: زیاد بن عبداللہ بکائی (م ۱۸۳/ ۷۹۹)، عبداللہ بن ادریس اودی (م ۱۹۲/ ۸۰۸)، یونس بن بکیر (م ۱۹۹/ ۸۱۵)، عبدہ بن سلیمان (م ۱۸۷/ ۸۰۳)، عبداللہ بن نمیر (م ۱۹۹/ ۸۱۵)۔ بغدادی راوی یحییٰ بن سعید اموی (م ۱۱۴/ ۷۳۲ - ۱۹۴/ ۸۱۰) تھے۔ تین بصری رواۃ تھے: جریر بن حازم (م ۱۷۰/ ۷۸۶)، کریم بن ابی عیسیٰ (م ۱۷۰/ ۷۸۶)، سلمہ بن فضل ابرش (م ۱۹۱/ ۸۰۷)۔ باقی رے کے رواۃ تھے: علی بن مجاہد، ابراہیم بن مختار، سعید بن ہزیع ربیع عثمان بن ساج اور محمد بن سلمہ حرانی (م ۱۹۱/ ۸۰۷)۔ مذکورہ بالا میں بعض کے سنین وفات کا علم نہیں یا قیاس سے ''حوالی'' کے سابقہ سے متعین کیا گیا ہے۔)

سیرت ابن اسحاق کی اولین روایت اور قدیم ترین متن ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق ابراہیم بن سعد کا ہے جو امام سیرت کے مدینہ سے نقل مکانی سے قبل ہوا تھا کیونکہ امام سیرت ان کے خیال میں پھر تا وفات مدینہ منورہ نہیں آئے جب کہ بعض محققین کا خیال ہے کہ وہ قیام عراق و مصر کے زمانے میں وقفہ وقفہ سے مدینہ منورہ آتے رہتے تھے۔

رواۃ کی وفات کی سنین سے معلوم ہوتا ہے کہ بصری راوی جریر بن حازم وغیرہ نے غالباً

سب سے پہلے اس کی روایت مولف امام سے لی تھی۔لیکن یہ زیادہ قوی دلیل نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جن دو قطعات سیرۃ ابن اسحاق کو تحقیق کے ساتھ چھاپا ہے وہ مکتبہ قروین کا نسخہ ہے جو یونس بن بکیر کی روایت پر مبنی ہے اور اس کے بارے میں موصوف کا خیال ہے کہ اس کا کثیر مواد سہیلی (عبدالرحمٰن بن محمد م ۱۱۸۵/۵۸۱) نے اپنی شرح ابن ہشام الروض الانف میں نقل کیا ہے۔اور ''دوسرا قطعہ دمشقی ابن اسحاق سے محمد بن سلمہ کا روایت کردہ ہے''۔ (نقوش ۳۸۸/۱۱ وغیرہ)

تاریخ طبری میں سیرت ابن اسحاق کا بیشتر مواد سلمہ بن فضل ابرش کی روایات پر مبنی ہے لہذا وہ اصلاً ابن اسحاق کا مواد ہے سلمہ بن فضل کے بارے میں یا ان کے مولف و شیخ امام کے بارے میں ماہرین جرح و تعدیل اور محققین سیرت کی آراء متصادم و متضاد ہیں۔امام ابن اسحاق کی تعدیل و توثیق کی گئی ہے اور ان کو ثقہ راوی اور معتبر محدث اور قابل افتخار سیرت نگار قرار دیا گیا ہے۔ بڑے بڑے محدثین کرام اور اماماں فقہ و حدیث نے امام ابن اسحاق کی روایات نہ صرف سیرت نبوی کے باب میں بلکہ عہد جاہلی کے عرب قبائل واقوام اور بعض دوسری اقوام بالخصوص اہل فارس کے بارے میں نقل کی ہیں اور وہ ان ہی رواۃ ابن اسحاق میں سے کسی نہ کسی سے ماخوذ ہیں۔

یہی واقعہ یا معاملہ ان کے راوی سلمہ ابرش کا ہے کہ ان کو تمام تنقیدوں کے باوجود ثقہ راوی اور معتبر محدث بتایا گیا ہے، اگرچہ علامہ شبلی نعمانی جیسے متعدد حامیان روایات حدیث اور ناقدین اماماں سیرت نے ان کو اور ان کے خواجہ تاش رواۃ کو ضعیف کہا ہے۔(شبلی نعمانی، سیرۃ النبی مرتبہ سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین / مطبع معارف اعظم گڈھ ۱۹۸۳ء، مقدمہ ۱/ ۴۸-۴۹ و مابعد: مثلاً بکائی کے بارے میں رقم طراز ہیں: ''بکائی اگرچہ رتبہ کے شخص ہیں تاہم محدثین کے اعلیٰ معیار سے فروتر ہیں......'' طبری کے بڑے بڑے شیوخ روایت مثلاً سلمہ ابرش، ابن سلمہ وغیرہ ضعیف الروایہ ہیں'' جبکہ امام ابن اسحاق کو ثقہ و قابل استناد قرار دیا ہے (۲۳/۱)۔شبلی کی تنقیدی آراء اسی طرح امام واقدی (محمد بن عمر بن واقد، م ۸۲۲/۲۰۷) امام ابن سعد (محمد، م ۸۴۵/۲۳۰) وغیرہ کے بارے میں بھی ہیں۔جدید تحقیقات و مطالعات نے ان پر نظر ثانی کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ عام طور سے مولفین سیرت پر جرح و نقد کرنے اور ان کا مقام و مرتبہ ثقاہت گھٹانے یا گرانے کا

رویہ عام ہے اور جدید دور میں اسے محدثین اور اہل سیر کا ناقابل حل نزاع بنادیا گیا ہے۔حالانکہ اکابر محدثین نے ان مطعون سیرت نگاروں کی روایات اپنی کتب حدیث و تاریخ میں خوب خوب نقل کی ہیں اور ان سے استناد بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: محاکمہ ابن اسحاق مذکورہ بالا؛ مقالات خاکسار: ۱- سیرت ابن اسحاق / ابن ہشام کا تنقیدی مطالعہ، سیرت سمینار دارالمصنفین، اکتوبر ۲۰۱۰ء؛ امام ابن اسحاق۔ حضرت شاہ کے اہم ترین ماخذ سیرت، دہم شاہ ولی اللہ سمینار، ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔، ۵-۶ / مارچ ۲۰۱۰ء۔

تاریخ طبری میں روایات سیرت تاریخ ایران و پارس کے ضمن میں اول اول ولادت نبوی کے متعلق آتی ہیں۔ان کے لیے امام طبری نے سلسلۂ تاریخ ایران توڑ کر کسری انوشیروان کے عہد میں ''ذکر مولد رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' عطا کر دیا ہے اور پھر اپنے دستور کے مطابق وہ تاریخ ایران کے سلسلہ کی طرف رجوع کر گئے ہیں۔اس ذکر مولد (۲/ ۱۵۵- ۱۶۶) میں انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی تاریخ و زمانہ، رضاعت و پرورش، کفالت جد امجد اور ان کے بعد کفالت عم ابی طالب میں آنے تک کے واقعات مختلف رواۃ و اسناد سے بیان کیے ہیں۔ان کا ایک موضوعاتی اور ماخذی تجزیہ مختصر طور سے حسب ذیل ہے:

اولین روایت، وہب بن جریر کے والد نے امام ابن اسحاق سے یہ نقل کی ہے کہ مطلب بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ نے اپنے دادا سے یہ نقل کیا کہ وہ یعنی قیس بن مخرمہ اور رسول اکرمؐ عام الفیل میں پیدا ہوئے تھے۔یہی روایت تیسری ہے جو تاریخ طبری میں سلمہ نے ابن اسحاق سے اس اضافہ کے ساتھ نقل کی ہے کہ ہم دونوں عام الفیل میں پیدا ہوئے اور ہم دونوں ہم عمر (لِد ان) ہیں ۔آگے چل کر ایک اور روایت سلمہ کی ابن اسحاق سے زیادہ مفصل ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ عام الفیل میں ۱۲/ ربیع الاول کو پیدا ہوئے تھے اور کہا گیا ہے (قیل) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دار ابن یوسف نامی میں تولد ہوئے تھے۔آگے اس خانۂ سعادت کے بارے میں کچھ تفصیل ہے۔

سلمہ کی ابن اسحاق سے اگلی روایت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت ان معجزات سے متعلق ہے جو والدہ ماجدہ بی بی آمنہ بنت وہب نے ملاحظہ فرمائے تھے جیسے سید امت کی بشارت، ولادت کے وقت کلمات خیر کہنے کی ہدایت اور قصور و محلات بصری کا نور محمدی میں دیکھنا،

عبدالمطلب کو اطلاع اور تسمیہ محمد ﷺ کی ہدایت وغیرہ۔ یہ پوری روایت ابن اسحاق نے ''فیما یزعمون'' یزعمون فیما یتحدث الناس ۔ واللہ اعلم ۔ کے تنقیدی فقرات اور جملوں کے ساتھ بیان کی ہے اور جو اس کے ضعیف و نا قابل اعتبار ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح جد امجد کے آپ ﷺ کو کعبہ کے اندر لے جانے اور وہاں دعا کرنے کی روایت کو فقرہ ضعیف (فیزعمون) کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حضرت حلیمہ بنت عبداللہ بن حارث سعدیہ کو رضاعت کے لیے طلب کرنے اور ان کی رضاعت کا مختصر واقعہ ابن اسحاق سے سلمہ ابرش کی روایت پر نقل کیا ہے اور اس کی بعض تفصیل واقدی کی سند و روایت پر دی ہے جو بعض اکابر و قریش کی رضاعت حلیمہ کے بارے میں ہے۔ حضرت شیماء کی حضانت کا واقعہ بھی اسی طرح فقرۂ تضعیف کے ساتھ آیا ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ کی رضاعت نبوی کا واقعہ کافی مفصل سیرۃ ابن اسحاق سے مروی ہے اور اہم بات یہ ہے کہ وہ ان کے متعدد راویوں کی روایات پر مبنی ہے جن کی الگ الگ اسناد دی ہیں۔ ان میں ترتیب یہ ہے: ۱- سلمہ از ابن اسحاق، ۲- یونس بن بکیر از ابن اسحاق، ۳- المحاربی از ابن اسحاق، ۴- سعید بن یحییٰ اموی عن عمی محمد بن سعید از ابن اسحاق اور چاروں حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب پر تمام ہوتی ہیں۔ (۲/۱۵۸-۱۶۰)

سلمہ از ابن اسحاق کی اگلی روایت رسول اکرم ﷺ کی مرفوع حدیث بن جاتی ہے اور اس میں متعدد واقعات کا ذکر ہے: ۱- دعائے ابراہیم، ۲- نوید ربشری عیسیٰ، ۳- ولادت کے وقت نور محمدی میں والدہ ماجدہ کا قصور بصری دیکھنے کا معجزہ، سعد بن بکر میں رضاعت نبوی اور معجزہ شق صدر (۲/۱۶۵)۔ اسی ضمن میں ابن اسحاق کے حوالے سے یہ روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ ابھی رحم مادر میں تھے کہ آپ ﷺ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔ لیکن ہشام کلبی نے ان کی وفات کی تاریخ یہ بتائی ہے کہ آپ ﷺ اٹھائیس ماہ کے تھے۔ واقدی کے حوالہ وسند سے عبداللہ کے شامی تجارت سے واپسی پر مدینہ میں وفات پانے اور دار نابغہ میں مدفون ہونے کا ذکر کیا ہے۔

حضرت سلمہ کی دوسری روایات ابن اسحاق یہ ہیں: چھ سال کی عمر شریف میں والدہ

ماجدہ کا مدینہ سے واپسی پر ابواء میں انتقال، آٹھ سال کی عمر شریف میں وفات عبدالمطلب اور بقول بعض آپ ﷺ کی عمر دس سال تھی۔ اور سلمہ کی روایت از ابن عباس کہ رسول اکرم ﷺ دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد ابوطالب کی کفالت (حجر) میں تھے اور اس کی کرامت سے ان کی بکریاں دودھاری بن جاتی تھیں۔ (۱۶۶/۲: اس میں واقدی کی روایت ابن سعد بھی ہے جو مقام قبر عبداللہ/آمنہ کے بارے میں ہے۔ موخرالذکر کے مطابق وہ مکہ کی شعب ابی ذر میں مدفون ہیں) اس کے بعد تاریخ طبری میں بقیہ اخبار ملوک ایران ہیں۔

"ذکر نسب رسول اللہ ﷺ و ذکر بعض اخبار آبائہ واجدادہ" کی اولین روایت نام ونسب نبوی کے بارے میں سلمہ بن الفضل کی روایت ابن اسحاق بہت اہم ہے جو یہ بتاتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا اسم گرامی محمد بن عبداللہ ﷺ ہے اور آپ ﷺ کے والد ماجد اپنے والدین کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ فرزندان عبدالمطلب۔ عبداللہ، زبیر اور عبدمناف یعنی ابوطالب۔ ایک ماں کے بطن سے تھے اور ان سب کی ماں کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم تھا۔ اس پر ابن کلبی۔ ہشام بن محمد۔ کی روایت کا اضافہ یہ ہے کہ ان تینوں کے علاوہ عبدالکعبہ، عاتکہ، برہ اور امیمہ سب اولاد عبدالمطلب کی ماں فاطمہ بنت عمرو مخزومی ہی تھیں۔ (۲۳۹/۲)

اس کے بعد عبدالمطلب کے بارے میں امام طبری نے مختلف روایات مختلف واقعات کے بارے میں دی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ عبداللہ کو قربان کرنے کی نذر عبدالمطلب مع اثر وفتوی حضرت ابن عمرؓ کہ ذبح فرزند ممنوع ہے۔ روایت ابن وہب از یونس بن یزید از امام زہری وغیرہ۔ اس میں حضرت ابن عباسؓ و ابن عمرؓ کے فتوی پر حضرت مروان بن حکم کا نفاذ بھی ہے جو معصیت کی نذر کو حرام بتاتا ہے۔ (۲/ ۲۳۹-۲۴۰)

ذبح/نذر عبداللہ کی روایت ابن اسحاق از سلمہ بن الفضل جسے شائع ترین (اشیع) قرار دے کر بہت مفصل بیان کیا ہے۔ (۲۴۰/۲-۲۴۳)

۲۔ حضرت ورقہ بن نوفل کی بہن کی شادی کی پیش کش اور عبداللہ کا عبدالمطلب کے

ساتھ جاکر بی بی آمنہ سے شادی کرنے کا واقعہ اور اس کے بعد ام قتال بنت نوفل کی پیش کش قبول کرنے اور موصوفہ کے نور محمدی کے غائب ہونے کے سبب مسترد کردینے کا واقعہ۔ سلمہ از ابن اسحاق نے اسی واقعہ کو ایک خثعمی کاہنہ کے بارے میں علی بن حرب موصلی وغیرہ کی سند سے حضرت ابن عباس سے بیان کیا گیا ہے۔ جس میں موصوفہ کے اشعار بھی ہیں۔

حضرت آمنہ سے حضرت عبداللہ کی شادی، شب زفاف، حمل نبوی وغیرہ کے واقعات بروایت سلمہ از ابن اسحاق۔

۳- حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی صفات، شادی، حمل محمدی، سفر مدینہ برائے حصول تمر مدینہ اور وفات و بیماری کے مختصر واقعات کے علاوہ یہ ذکر بھی ہے کہ ان کی بیماری کی خبر سن کر عبدالمطلب نے اپنے فرزند اکبر حارث کو بھیجا تھا کہ وہ عبداللہ کو مدینہ سے لے آئیں۔

امام طبری نے امام واقدی کا قول نقل کیا ہے کہ مذکورہ بالا روایت غلط ہے اور ہمارے نزدیک متفقہ (المجتمع علیہ) روایت جو عبداللہ بن جعفر زہری نے ام بکر بنت المسور سے نقل کی ہے اور حارث کے بھیجے جانے اور عبداللہ کے مدینہ برائے تجارت جانے کی روایت بھی غلط ہے۔ صحیح اور "ثبت" یہ ہے کہ وہ قریش کے ایک تجارتی کارواں میں شام سے آتے ہوئے مدینہ میں بیمار پڑے اور فوت ہوئے۔ (۲/۲۴۶)

امام طبری نے اس کے بعد امام ابن اسحاق کی پیروی میں رسول اکرم ﷺ کے اجداد کا ذکر پیڑھی در پیڑھی کیا ہے اور اس سلسلۂ نسب کے بیان میں وہ اوپر چڑھتے چلے گئے ہیں جس کا اختتام عدنان پر ہوتا ہے۔ ہر ایک جد امجد کے بارے میں مختلف مآخذ سے روایات نقل کی ہیں: ان میں سے بعض بنیادی اور اصلی ہیں اور بعض ان بنیادی روایات میں ضمنی اضافوں یا اختلافی بیانات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے سلسلہ میں جد بہ جد کے مصادر / روایات کا ذکر کیا جاتا ہے اور تفصیل سے گریز کیا جاتا ہے کہ وہ براہ راست سیرت نبوی سے متعلق نہیں ہے۔

عبدالمطلب: تسمیہ شیبہ و عبدالمطلب کی روایات از کلبی۔ ہشام۔ ان کی اور سلمہ بن فضل از ابن اسحاق کی روایات سے ہاشم کے تجارتی سفر شام کے دوران قیام مدینہ میں عمرو بن زید خزرجی کی دختر سلمی بنت زید سے شادی، ولادت عبدالمطلب اور ان کا سات / آٹھ سالہ قیام مدینہ،

مطلب بن عبد مناف کے ساتھ مکہ آمد اور پرورش عم مکرم کے واقعات بیان کیے ہیں۔(۲/۲۴۶-۲۴۸) دوسری روایت واقعہ علی بن حرب موصلی کی اپنے شیوخ سے محمد بن ابی بکر انصاری کی ہے۔ اس میں عبد المطلب کے اپنے چچا نوفل بن عبد مناف کے ایک مال پر اختلاف اور بنو النجار رخزرج کی عبد المطلب کی فوجی مدد اور بنو ہاشم کے خلاف نوفل کی بنو عبد شمس وغیرہ سے حلف کا بیان بھی ہے۔ (۲/۲۴۸-۲۵۰: ایک اور متعلقہ روایت کلبی کی بھی ہے اور ان سب میں اشعار بھی ہیں اور روایت کا اختتام عبد المطلب کے مناصب سقایہ ورفادہ اور قوم میں ان کے شرف وعروج پر ہوتا ہے۔ اس میں یہ ذکر اہم ہے کہ یہ مناصب بنو عبد مناف میں پہلے سے چلے آرہے تھے۔۲/۲۵۰-۲۵۱)

ہاشم: تسمیہ، اصل نام عمرو، واقعہ سخاوت اور ہاشم وعبد شمس کے درمیان رشتہ اور منافرت وغیرہ کی روایات ابن کلبی وکلبی۔ عداوت بنو ہاشم وامیہ کی کوئی روایت ابن اسحاق وغیرہ سے مروی نہیں ہے۔ سب کلبی کی ہیں۔ (۲/۲۵۱-۲۵۴)

عبد مناف: نام مغیرہ، تسمیہ واوصاف اولاد قصی کی روایت ''فیما زعموا'' سے اور ابن کلبی ہشام بن محمد کی روایت۔ (۲/۲۵۴)

قصی: اصل نام زید، قصی کی تسمیہ، واقعہ، مکہ آمد اور عروج قصی وغیرہ کی روایات سلمہ از ابن اسحاق رہشام کلبی رابن اسحاق رسلمہ بن فضل از ابن اسحاق جو ابن حمید کے واسطہ سے طبری نے روایت کی ہیں۔ تین چار ہیں۔ (۲/۲۵۴-۲۶۰)

کلاب: ابن کلبی ہشام بن محمد رابن اسحاق صرف والدہ کے نام کے بارے میں۔ (۲/۲۶۰)

مرہ: کلبی وابن اسحاق۔ (۲/۲۶۱)

کعب: ابن اسحاق وابن الکلبی وغیرہ۔ (۲/۲۶۱)

لوی: ہشام۔ غالب: غالباً ہشام کلبی۔

فہر: ہشام کلبی رابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ رسلمہ از ابن اسحاق: حمیر سے قریش کی جنگ فہر کی قیادت میں۔

مالک: ہشام کلبی رابن اسحاق ''قیل'' سے بعض روایات رواقدی رابن سعد از واقدی: کئی روایات۔

نضر: بلا ذکر مآخذ و روایات۔

کنانہ: بلا ذکر مآخذ و روایات۔ خزیمہ: بلا ذکر مآخذ و روایات۔

مدرکہ: بلا ذکر مآخذ و روایات/ سلمہ از ابن اسحاق بنو خندف کے نام و نسب پر/ کلبی و ہشام۔

الیاس: ''قیل'' سے روایات۔ مضر: غیر مذکور مآخذ۔

نزار: ''قیل''۔ معد: ہشام کا مزعومہ/ ابن سعد از ابن الکلبی۔

عدنان: بہ روایات یونس بن عبد الاعلیٰ از شیوخ - ابو الاسود/ زبیر بن بکار/ کلبی محمد بن سائب/ سلمہ از ابن اسحاق: نسب عدنان ابن سعد از کلبی، متعدد غیر مذکور/ نا معلوم مآخذ اور مجہول روایات۔ (۲۶۲/۲-۲۷۶)

سیرت نبوی کا اصل بیانیہ اور مسلسل واقعہ امام طبری کی تاریخ میں ''ذکر رسول اللہ ﷺ و اسبابہ'' سے شروع ہوتا ہے اور اس کا سلسلہ اسی جگہ سے جوڑ دیا جاتا ہے جہاں سے وہ ٹوٹا تھا یعنی وفات عبد المطلب کے بعد کفالت ابو طالب کے واقعہ سے۔ امام طبری نے سلمہ بن فضل کی روایت ابن اسحاق سے بلا نقد یہ بیان کی ہے کہ عبد المطلب نے ابو طالب کو کفالت نبوی کی وصیت کی تھی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے حقیقی چچا تھے اور اسی بیانیہ میں انہوں نے ابو طالب کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے اولین سفر شام اور اس کے واقعات بالخصوص قصہ بحیریٰ کا مفصل ذکر کیا ہے۔ درمیان میں اضافی و تشریحی روایات کا پیوند لگاتے گئے ہیں جو ہشام بن محمد، عباس بن محمد از ابو نوح۔ ابو موسیٰ کی روایات پر مبنی ہیں اور اسی واقعہ/ قصہ سے متعلق ہیں۔ (۲/۲۷۷-۲۷۹)

دوسرے واقعات سیرت اور ان کی روایات حسب ذیل ہیں:

۱- جاہلی معاملات میں شرکت کا ارادہ نبوی اور حفاظت الٰہی کا واقعہ۔ سلمہ بن فضل از ابن اسحاق۔ (۲۷۹/۲)

۲- حضرت خدیجہ سے نکاح و زواج نبوی۔ روایات ہشام بن محمد/ سلمہ بن فضل از ابن اسحاق۔ خاصی مفصل ہے/ ابن سعد از واقدی بعض روایات پر نقد واقدی جیسے حضرت خدیجہ کی سلسلہ جنبانی کی روایت وغیرہ اور صحیح روایت کی توثیق و بیانیہ۔ (۲۸۰/۲-۲۸۲: اس میں حضرت خدیجہ کے مکان/ منزل کے بارے میں امام طبری کا ''قال ابو جعفر'' کے ساتھ تبصرہ ہے)

ایک طویل عنوان ''باقی الاخبار الخ'' کے تحت قبل بعثت کے تمام اہم واقعات کا ذکر اپنے قول سے شروع کیا ہے اور اس کے بعد مختلف واقعات کے بارے میں روایات مآخذ دی ہیں جیسے:

قریشی تعمیر کعبہ بعد نکاح نبوی - سلمہ بن فضل از ابن اسحاق۔

کعبہ کے دو غزالوں کا معاملہ - ابن الکلبی و کلبی: تاریخ بناء کعبہ از وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام و جرہم وغیرہ۔

رجوع طرف حدیث ابن اسحاق در باب غزالین کعبہ، تعمیر کعبہ، ذکر ابو وہب نانائے رسول، قریشی قبائل کی تعمیر میں شرکت، مال حلال سے تعمیر اور تحکیم / تنصیب حجر اسود وغیرہ تمام واقعات سلمہ بن فضل کی روایت ابن اسحاق پر مذکور ہیں۔ (۲۸۲/۲-۲۹۰)

بعثت نبوی: وقت، تاریخ اور عمر نبوی و بوقت بعثت پر سلف کا اختلاف نقل کیا ہے اور اس میں اپنے طریقہ تفسیر کو اختیار کیا ہے اور وہ اس طرح کہ ایک قول نقل کر کے اس کے قائلین کی روایات نقل کرتے ہیں اور دوسرا / دوسرے قول بیان کر کے ان کی روایات لاتے ہیں:

۱- تعمیر قریش / کعبہ کے پانچ سال بعد جب عمر شریف کامل چالیس کی تھی:

۱- محمد بن خلف عسقلانی بواسطہ شیوخ از حضرت ابن عباسؓ۔ ۲- عمرو بن علی و ابن المثنیٰ بواسطہ شیوخ از حضرت انس بن مالکؓ۔ ۳- عباس بن ولید بواسطہ شیوخ از حضرت انس بن مالکؓ۔ ۴- ابن عبد الرحیم برقی بواسطہ شیوخ از حضرت انس بن مالکؓ۔ ۵- ابوشرحبیل حمصی بواسطہ شیوخ از حضرت انس بن مالکؓ۔ ۶- ابن المثنیٰ بواسطہ شیوخ از حضرت عروہ بن زبیرؓ۔ ۷- ابن المثنیٰ بواسطہ شیوخ از حضرت یحییٰ بن جعدہؓ۔ ۸- عبید بن محمد الوراق بواسطہ شیوخ از حضرت ابن عباسؓ۔ ۹- ابو کریب بواسطہ شیوخ از حضرت ابن عباسؓ۔

۲- تینتالیس برس کی عمر میں نبوت ملی:

۱- احمد بن ثابت رازی بواسطہ شیوخ از حضرت ابن عباسؓ۔ ۲- ابن حمید بواسطہ شیوخ از حضرت سعید بن مسیّب۔ ۳- ابن المثنیٰ بواسطہ شیوخ از حضرت سعید بن مسیّب۔

اپنے طریقہ تفسیر کے برعکس امام طبری نے ان اقوال مختلفہ میں محاکمہ کر کے کسی کو ترجیح

نہیں دی۔ (۲/۲۹۰-۲۹۲)

دن اور ماہ نبوت اور روایات کا ذکر اپنے قول (قال ابوجعفر) سے کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے وہ خبر صحیح ہے جو ہم سے ابن المثنیٰ نے اپنے شیوخ کی سند سے حضرت ابوقتادہ انصاریؓ سے نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں دوشنبہ کو پیدا ہوا۔ اسی دن مبعوث ہوا یا مجھ پر وحی کا نزول ہوا۔ اس کی موید دو اور احادیث صحابی موصوف اور ابن عباسؓ سے مروی ہیں اور ان پر ابوجعفر کا تبصرہ ہے کہ اس باب میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دوشنبہ کی تعیین پر اختلاف سلف ہے:

۱- بعض کا قول ہے کہ قرآن کی تنزیل ۱۸/رمضان کو ہوئی۔ وہ ابن حمید کی روایت۔

۲- ابن حمید کی دوسری روایت کے مطابق وہ ۲۴/رمضان کا دوشنبہ تھا۔

۳- دوسروں کے مطابق وہ ۱۷/رمضان کی تاریخ ہے جس کے لیے سورہ انفال: ۴۱ سے استشہاد کیا ہے۔

امام طبری نے اس باب میں عام مفسرین و شارحین اور اہل حدیث و سیر کی مانند وقت بعثت اور وقت تنزیل قرآن میں فرق نہیں کیا۔ (۲/۲۹۳-۲۹۴)

نزول جبرئیل علیہ السلام سے قبل، آثار کرامت: ابوجعفر کا قول ہے کہ حضرت جبرئیل کے نزول سے قبل رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اکرام و فضل کے آثار دکھائے تھے۔ ان میں خاص واقعات اور ان کی روایات کا ذکر کیا ہے جیسے خانہ حلیمہ میں شق صدر کا واقعہ جس کا ذکر گذر چکا۔ دوسرے واقعات و معجزات تھے۔

۱- شجر و حجر کی تسلیم: روایت حارث بن محمد بواسطہ شیوخ ابن سعد/واقدی از حضرت برہ بنت ابی تجراۃ۔ ۲- علماء امم کی بشارات: ابوجعفر کہتا ہے ابن سعد/واقدی کی روایت حارث مذکور از حضرت زید بن عمرو بن نفیل۔ ۳- حضرت عمر کا بیان کردہ معجزہ عجل (بیل): روایت ابن حمید از سلمہ بن فضل از ابن اسحاق/روایت علی بن مجاہد از ابن اسحاق۔ ۴- ذبح شدہ اونٹوں میں سے کسی کی بشارت: حارث ابن سعد/واقدی از حضرت جبیر بن مطعم۔ ۵- خاتم نبوت کا مشاہدۂ عامری: روایت احمد بن سنان القطان از حضرت ابن عباس۔

ابوجعفر کا قول ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل بیان و گنتی سے باہر ہیں اور اس پر انشاء اللہ ایک پوری کتاب لکھی جائے گی۔ (۲/۲۹۴-۲۹۷)

ابتداء بعثت ونزول جبرئیل علیہ السلام: اس بحث کا آغاز ابوجعفر نے اس یاددہانی سے کیا ہے کہ ہم نے حضرت جبرئیل کی اولین آمد اور اولین وحی کی تنزیل اور اس وقت آپ ﷺ کی عمر شریف کے بارے میں روایات ذکر کی ہیں۔ اس کے بعد اولین سورہ قرآنی - اقرأ کی ابتدائی آیات اور ان کے نزول کے وقت، ماحول وغیرہ کے واقعات کے بارے میں روایات نقل کی ہیں:

۱- بروایت ابی الجوزاء ...... حضرت عائشہ صدیقہؓ: رویاء صادقہ کے اولین وحی کے نزول کی حدیث مثل بخاری اور واقعہ خدیجہ وغیرہ۔

بروایت محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب از عبداللہ بن شداد: سورہ اقرأ وغیرہ کا نزول مع واقعہ حضرت خدیجہؓ وغیرہ۔

۲- اقرأ کے بعد تنزیل قرآنی: سورہ نون، سورہ مدثر اور سورہ والضحیٰ: روایت یونس بن عبدالاعلیٰ ...... عروہ/عائشہ۔ (۲/۲۹۸-۳۰۰)

۳- بروایت ابن حمید/سلمہ بن الفضل از ابن اسحاق: غار حراء میں تحنث سالانہ، جوار نبوی اور تنزیل سورہ اقراء کا مفصل واقعہ۔

بروایت ابن حمید/سلمہ بن الفضل از ابن اسحاق: مزید دو روایات بابت امتحان فرشتہ از حضرت خدیجہ۔ (۲/۳۰۰-۳۰۳)

اولین تنزیل قرآنی، فترہ وحی اور بعد کی تنزیلات: ۱- ابن المثنیٰ بواسطہ شیوخ از حضرت ابوسلمہ: اول تنزیل: سورہ مدثر پھر اقراء، فترہ کے بعد کی ترتیب۔ ۲- ابوکریب بواسطہ شیوخ از حضرت ابوسلمہ: اول تنزیل: سورہ مدثر پھر اقراء، فترہ کے بعد کی ترتیب۔ ۳- ہشام بن محمد: جبرئیل کی اولین آمد ہفتہ، یک شنبہ کو پھر دوشنبہ کو رسالت کے ساتھ آمد۔ احمد بن محمد طوسی بواسطہ شیوخ از عروہ/ابوذر غفاری اور محمد بن عبدالاعلیٰ از امام زہری کی روایت فترہ کے دوران غم واندوہ نبوی۔ یونس بن عبدالاعلی بواسطہ شیوخ جابر بن عبداللہ انصاری اور محمد بن عبدالاعلیٰ از امام زہری کی روایت۔ (۲/۳۰۳-۳۰۶)

انذار قوم کی ہدایت الٰہی: سورہ والضحیٰ کی آخری آیت کریمہ میں ابن اسحاق کے زعم کے مطابق رسول اکرم ﷺ کو ہدایت دی گئی کہ قوم کو انذار کریں۔ ابوجعفر نے یہ بیان کرنے کے بعد ابن حمید / سلمہ بن الفضل / ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے کہ اولین مومنہ آپ ﷺ کی زوجہ حضرت خدیجہ تھیں۔ یہی حارث / ابن سعد / واقدی کی روایت ہے جس کو واقدی نے اپنے اصحاب کی متفقہ روایت قرار دیا ہے۔

نماز کی فرضیت: ابوجعفر کہتا ہے کہ توحید کے اقرار اور شرک سے اجتناب کے بعد اولین شرعی فرض نماز کی فرضیت تھی اور اس کی روایات ہیں: ۱- ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق: دو رکعت نماز، وضو کی تعلیم جبرئیل اور حضرت خدیجہؓ کو تعلیم نبوی۔

دوم شق صدر بوقت نبوت: ۱- ابن حمید بواسطہ شیوخ از حضرت انس بن مالک: اس میں واقعہ معراج و اسراء کا بھی بیان ہے۔ (۳۰۶/۲-۳۰۹)

اولین مسلمانوں پر اختلاف سلف: ۱- بعض کا خیال ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت علی اولین مسلم تھے: ۱- ابن حمید بواسطہ شیوخ ...... از حضرت ابن عباس۔ ۲- زکریا بن یحییٰ بواسطہ شیوخ ...... از حضرت جابر۔ ۳- ابن المثنیٰ بواسطہ شیوخ ...... از حضرت زید بن ارقم۔ امام نخعی کا اس پر نقد کہ ابوبکر اولین مسلم تھے۔ ۴- ابوکریب بواسطہ شیوخ ...... از حضرت زید بن ارقم۔ دو روایات۔ ۵- احمد بن حسن ترمذی بواسطہ شیوخ ...... از حضرت علی۔ ۶- محمد بن عبید المحاربی بواسطہ شیوخ ...... از حضرت عفیف کندی کی طویل حدیث۔ ۷- ابن حمید / سلمہ بن فضل / ابن اسحاق بواسطہ شیوخ ...... از حضرت عفیف کندی کی طویل حدیث۔ ۸- ابن حمید / سلمہ بن فضل / ابن اسحاق بواسطہ شیوخ ...... از حضرت عفیف کندی کی طویل حدیث۔ ۹- ابن حمید / سلمہ بن فضل / ابن اسحاق بواسطہ شیوخ ...... از حضرت علی / کفالت نبوی میں حضرت جعفر کفالت عباسؓ میں۔ ۱۰- حارث / ابن سعد / واقدی: اسلام علی بہ عمر دس۔

امام واقدی کا اس پر تبصرہ کہ ہمارے اصحاب کا اجتماع ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نبوت کے ایک سال بعد حضرت علی اسلام لائے اور مکہ میں بارہ سال مقیم رہے۔

۲- دوسروں کا خیال ہے کہ مردوں میں اول مسلم حضرت ابوبکر تھے: ۱- سہل بن موسیٰ

رازی بواسطہ شیوخ از حضرت ابن عباس۔ اشعار حسان بن ثابتؓ سے اس پر استشہاد ابن عباسؓ۔ ۲-سعید بن عنبسہ رازی بواسطہ شیوخ ...... از حضرت عباس (مذکورہ بالا)۔ ۳- ابن حمید / بواسطہ شیوخ ...... از حضرت عباس۔ (مذکورہ بالا) ۔۴- بحر بن نصر خولانی از ابو امامہ باہلی، ۵- ابن عبدالرحیم البرقی از ابوذرہ وابن عبسہ ۔۶- ابن حمید / ابراہیم ، ۷- ابوکریب / ابوبکر نخعی۔

۳- دوسروں کا خیال کہ حضرت ابوبکر ایک جماعت کے بعد اسلام لائے: ۱- ابن حمید از ابن سعد۔ (۳۱۶-۳۰۹/۲)

۳- حضرت زید بن حارثہ کلبی مردوں میں اول تھے: اس کے قائلین کی روایات میں شامل ہیں: ۱- حارث از واقدی حارث از ابن سعد / واقدی کی تین مزید روایات۔ ۲- عبدالرحمٰن بن عبداللہ از ابوالاسود / عروہ۔ ۳- ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق کی مفصل حدیث جس میں حضرت ابوبکرؓ کی صفات جمیلہ اور ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق یا سبب سے اصحاب ستہ اسلام لائے۔ ۴- واقدی کی روایت کہ ان مردان کار پر اختلاف اصحاب ہے اور پھر دوسرے سابقین اولین کے اسلام کا ذکر ہے جیسے حضرات ابوذر، عمرو بن عبسہ وغیرہ۔ امام طبری نے دوسرے تمام صحابہ کرام کے قبول اسلام اور ان کے مرتبہ و مقام اور ان کے زمانے کے بارے میں متعدد روایات کا ذکر کیا ہے: ۱- حارث / ابن سعد / واقدی، ۲- ابن اسحاق: اسلام حضرت خالد بن سعید بن العاص اور ان کی زوجہ طاہرہ اور دوسرے سابقین کے علاوہ تین سال کی خفیہ تبلیغ کے بعد علانیہ تبلیغ کے حکم: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ الخ، شعاب مکہ میں نماز کی ادائیگی اور حضرت سعد کا واقعہ بیان کیا ہے۔ ۳- ابوکریب وابوالسائب کی مشترکہ سند سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کوہ صفا سے خطبۂ نبوی اور سورۂ تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ کے نزول کے بارے میں بیان کی ہے۔ علانیہ انذار کی آیت کریمہ کے نزول کے بعد اسی ضمن میں امام طبری نے ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق کی سند سے بنو عبدالمطلب کو دعوت دینے کی خاطر کھانے کی دعوت کا حضرت علیؓ کے ذریعہ اہتمام کیا تھا بتایا ہے۔ اسی کی تائیدی روایت زکریا بن یحییٰ سے بھی ہے۔ (۳۲۲-۳۱۶/۲: ابن اسحاق کی ایک اور روایت بظاہر کوہ صفا سے خطاب نبوی کے بارے میں ہے)

علانیہ دعوت کی اس کے بعد ابن سعد / واقدی کی مختصر روایت حارث کی سند پر نقل کی ہے

جس میں تین سال کی خفیہ دعوت کے بعد علانیہ دعوت کے حکم الٰہی کا حوالہ ہے۔ پھر سلمہ/ابن اسحاق کی ایک نسبتاً روایت ہے جس میں اعلان دعوت، قوم قریش کی مخالفت، ابو طالب کی حمایت نبوی اور اشراف قریش جیسے عتبہ، شیبہ، ابوجہل وغیرہ کی ابو طالب سے شکایت اور بار بار شکایت کا ذکر ہے اور خاتمہ اس پر ہوتا ہے کہ ابو طالب پر اپنی قوم کا فراق بڑا شاق تھا لیکن اس سے زیادہ رسول اکرم ﷺ کی حوالگی ناپسند تھی۔

محمد بن حسین بواسطہ شیوخ کی امام سدی سے روایت نقل کی ہے جس میں اکابر قریش کی شکایت پر ابو طالب کی رسول اکرم ﷺ کی طلبی اور آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ پر عزم راسخ اور چاند سورج کے ہاتھ پر رکھ دینے کا ذکر ہے۔ خاتمہ سورہ ص: ۶-۷، سورہ قصص: ۵۶ پر ہوتا ہے۔ اسی معنی کی ایک اور روایت ابو کریب و وکیع کی مشترکہ روایت حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے جو ابو طالب کے مرض الموت میں ان کو رسول اکرم ﷺ اسلام قبول کر لینے کی درخواست اور ابو طالب کے انکار کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ تمام روایات ابن اسحاق کی اصل و طویل روایت کے درمیان میں ضمناً لائی گئی ہیں کیونکہ اس کے بعد اس روایت کی طرف رجوع کر کے رسول اکرم ﷺ کے عزم و رسوخ پر ابو طالب کی حمایت واستقامت کا ذکر کر کے عمارہ بن ولید بن مغیرہ کے تبادلہ کی تجویز، مسلمانوں پر ان کے اپنے قبیلہ والوں کے ظلم و زیادتی کا ذکر کیا ہے اور سلسلۂ کلام ہجرت حبشہ سے جوڑ دیا ہے جو اگلا مبحث ہے۔ (۳۲۸-۳۲۲/۲)

ہجرت حبشہ: علانیہ دعوت و تبلیغ کے بعد مسلمانوں پر اکابر قریش کے مظالم سے بچنے کی صورت رسول اکرم ﷺ نے یہ نکالی کی تعذیب کے شکار مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ اس بارے میں اولین روایت حضرت عروہ کے خط سے ماخوذ ہے جو انہوں نے خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان کے استفسار کے جواب میں لکھا تھا۔ یہ علی بن نصر جہضمی اور عبدالوارث کی مشترکہ روایت ان کے شیوخ سے ہے۔ اس میں اسلام کی اشاعت عام کا بھی ذکر ہے۔

ابو جعفر نے پھر وضاحت کی ہے کہ مہاجرین حبشہ کی تعداد میں اختلاف ہے اور ہجرت اولیٰ میں شامل تھے:

۱- بعض کے مطابق گیارہ مرد اور چار عورتیں۔ ۱: بروایت حارث بواسطہ شیوخ از عبیداللہ

ابن عباس ہذلی وحارث بن فضیل ۔۲- اس میں اولین مہاجرین حبشہ کی فہرست ہے: ۲- بروایت حارث بواسطہ شیوخ از محمد بن یحییٰ بن حبان۔

ابوجعفر نے دوسروں کا قول نقل کیا ہے کہ مہاجرین حبشہ اوران کی اولاد کی تعداد بیاسی تھی اگر حضرت عمار بن یاسرؓ ان میں شامل تھے اوران کی شمولیت پر ان کو شک ہے۔اس کی روایات مروی ہیں:

۱- سلمہ بن فضل از محمد بن اسحاق ۔ پس منظر، سبب اور اولین مہاجرین میں اموی صحابہ کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ان کے علاوہ دوسرے تمام مہاجرین حبشہ کا ذکر کیا ہے جن کو واقدی نے بھی اپنی فہرست میں گنایا ہے لیکن بعض بطون قریش کے مہاجرین کا فرق بھی ہے۔ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب نے ہجرت کی اور مسلمان برابر حبشہ جاتے رہے تا آنکہ ان کی تعداد بیاسی مرد (اثنین و ثمانین رجلا) ہوگئی۔(۳۲۹/۲-۳۳۱)

اسی روایت میں تسلسل کے ساتھ مکہ مکرمہ میں رسول اکرم ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کے وطن میں مقیم رہنے، جوار ابی طالب وغیرہ سے حفاظت پانے اوردعوت وتبلیغ کا کام کرنے کا ذکر ہے اوراس میں رسول اکرم ﷺ پر قریش کے اکابر کے طعن وتشنیع کا بھی ذکر ہے۔

ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق کی ایک اور روایت سے حجر میں جمع اشراف قریش کے طعن و استہزاء اور ایذادہی پر رسول اکرم ﷺ کے ''ذبح'' کی وعید سنانے کا واقعہ اوردوسرے دن ایذادہی پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حفاظت کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔

یونس بن عبدالاعلیٰ بواسطہ شیوخ از حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے عقبہ بن ابی معیط کے گلا گھوٹنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔

پھر ابن اسحاق کی روایت کی طرف رجوع کرکے ابوجہل مخزومی کی ایذا دینے اوراس کے ردعمل میں حضرت حمزہ کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔(۳۳۱/۲-۳۳۴)

قرآن مجید کی جہری تلاوت ابن مسعود: ۱- ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق کی سند پر رسول اکرم ﷺ کے بعد مکہ میں اکابر قریش کے سامنے قرآن مجید کی جہری تلاوت حضرت عبداللہ بن مسعود کا ذکر کیا ہے اوراسے اولین واقعہ قرار دیا ہے۔حضرت ابن مسعود نے سورہ رحمٰن کی تلاوت کی تھی اور بدلے

میں مار کھائی تھی۔(۲؍۳۳۴-۳۳۵)

واقعات ہجرت؍مہاجرین حبشہ: ابوجعفر نے اپنے بیان تمہیدی میں سرزمین حبشہ پر مہاجرین اسلام کے استقرار کے بعد وہاں کے واقعات مختصراً بیان کیے ہیں جن میں قریشی وفود کی ناکام واپسی کا بھی ذکر ہے۔اس میں کسی ماخذ کی روایت کا ذکر نہیں ہے۔اور اسی میں اسلام عمر کا ذکر ہے۔(۲؍۳۳۵)

اسلام حضرت عمرؓ: اپنے بیان تمہیدی میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا ذکر ان کی صفات جلیلہ کے ساتھ صرف دو تین سطروں میں بیان کر دیا ہے۔(۲؍۳۳۵)

صحیفۂ مقاطعہ: گذشتہ بیان ہی میں امام طبری نے صحیفہ مقاطعہ کا ذکر شروع کر کے اس کی خاصی تفصیل دی ہے جس میں شامل ہیں بنو ہاشم و بنو مطلب کی شعب ابی طالب میں محصوری، ابولہب کی خاندانی روایت سے غداری، دو سال یا تین سال کی ابتلاء و آزمائش، بعض رشتہ داروں کی صلہ رحمی، ابوجہل مخزومی وغیرہ کی مخالفت، رسول اکرم ﷺ کی دعوت و تبلیغ اور قریش سے بحث و مباحثہ، سورہ کافرون کا نزول وغیرہ اس پر ایک ضمنی روایت یعقوب بن ابراہیم؍ابن علیہ؍ابن اسحاق کی سند سے سورہ کافرون کے شان نزول پر نقل کی ہے۔

اسی کے بعد اپنے بیان مسلسل میں امام طبری نے رسول اکرم ﷺ کے بارے میں یہ اہم بیان دیا ہے کہ آپ ﷺ اپنی قوم کی صلاح کے حریص تھے اور ہر طرح سے ان کی مقاربت چاہتے تھے اور اس کی تفصیل ابن حمید؍سلمہ؍ابن اسحاق کی روایت کے ذریعہ پیش کی ہے۔اس میں سورہ نجم کے نزول، رسول اکرم ﷺ کے سجدہ کرنے کی سنت اور اس کی متابعت میں اکابر و عوام قریش کے سجود کے ذکر کے ساتھ شیطانی مداخلت کے واقعہ اور اس کی آیات کی منسوخی کا ذکر ہے۔اس کے علاوہ بعض مہاجرین حبشہ کے غلط خبر سن کر مکہ لوٹ آنے اور اکابر قریش میں ان کے ۳۴ افراد کے جوار پانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔اس میں ضمنی روایت القاسم بن الحسن کی محمد بن کعب قرظی اور محمد بن قیس سے نقل کی ہے۔اور اس کے بعد ابن حمید؍سلمہ؍ابن اسحاق کی خاص روایت سے صحیفۂ مقاطعہ کی منسوخی کے واقعات کا مفصل ذکر کیا ہے۔اس کا اختتام حبشہ میں باقی مہاجرین کے قیام پذیر رہنے اور خیبر کے زمانے میں ان کے بقیہ ۱۶ مردوں کے دو کشتیوں میں مدینہ آنے

کے واقعہ پر ہوتا ہے۔ (۲/۳۳۵-۳۴۳)

بعد کے واقعاتِ مکہ: امام طبری نے اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کے مکہ میں مقیم رہنے اور قریش کو دعوت دینے اور ان کے ہاتھوں تکلیف پانے کا ذکر بلا حوالہ روایت کیا ہے البتہ اپنے پڑوسی بنو عبد مناف کی ایذا دہی اور رسول اکرم ﷺ کے صبر کا ذکر ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق کی روایت سے کیا ہے۔ اور اسی طرح ابن اسحاق کی اسی سند سے دوسری روایت کی بنا پر ہجرت مدینہ سے تین سال قبل ابو طالب اور حضرت خدیجہ کی وفات اور ان کی وجہ سے مصیبت میں اضافہ اور مزید ایک اور سند سے حضرت فاطمہ کے سر اقدس سے خاک دھونے کی روایت بھی نقل کی ہے۔ (۲/۳۴۳-۳۴۴)

سفر طائف: کا واقعہ اپنے تمہیدی بیان سے شروع کر کے اس کی تفصیل ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق کی روایت کی بنا پر دی ہے۔ اکابر ثقیف کے برے برتاؤ، ان کی ایذا دہی، نامعقولوں کی حرکت ناشائستہ اور باغ عتبہ و شیبہ میں پناہ لینے، جناب الٰہی میں گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرنے (معہ الفاظ دعا)، حضرت عداس کے ہاتھوں فرزندان ربیعہ کی ضیافت کرنے اور مکہ واپسی کا ذکر کیا ہے جس کا خاتمہ نخلہ میں جنات کے وفد / نفر کے اسلام لانے پر ہوتا ہے۔ یہ واقعہ ابن اسحاق کے حوالے سے سات جنات نصیبین کے بارے میں ہے جن کے نام بھی دیے ہیں۔ (۲/۳۴۴-۳۴۷)

جوار مطعم بن عدی میں داخلہ نبوی: امام طبری نے اپنے تمہیدی بیان میں رسول اکرم ﷺ کی سفر طائف سے مکہ واپسی اور قیام کا پس منظر بیان کرتے ہوئے "بعض" کے حوالے سے "بعض اہل مکہ" کے مسافروں کے ذریعہ پہلے اخنس بن شریق سے پھر اس کے انکار کے بعد مطعم بن عدی سے جوار دینے کی درخواست کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اس جوار کے بیان میں ابو جہل مخزومی کے بنو عبد مناف پر طنز اور عتبہ کی حمایت وغیرہ کا ذکر بہت دلچسپ ہے۔ (۲/۳۴۷-۳۴۸)

مواسم میں عرض نبوی کی روایات طبری: قبائل عرب کو دعوت اسلام دینے اور ان سے حمایت و نصرت طلب کرنے کو "عرض نفس" کی خاص تعبیر سے پیش کیا جاتا ہے، امام طبری نے اپنے مختصر تمہیدی بیان میں اس کا تعارف کرا کے مختلف واقعات کو مختلف روایات کے ساتھ پیش کیا ہے۔

۱- بروایت ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : ربیعہ بن عباد کا اپنے والد کے ساتھ سفر مکہ، منیٰ میں ملاقات اور ابولہب کی ایذا دہی۔ ۲- بروایت ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : منازل کندہ میں ان کے سید ملیح کو دعوت نبوی۔ ۳- بروایت ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : منازل کلب میں بنو عبداللہ۔ ۴- بروایت ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : منازل بنی حنیفہ۔ ۵- بروایت ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : بنو عامر بن صعصعہ کو دعوت : بیحرہ بن فراس کا واقعہ تفصیل کے ساتھ۔

اسی طرح رسول اکرم ﷺ ہر موسم حج میں لوگوں اور قبیلوں کو ہر سال دعوت دیتے تھے اور ہر صاحب شرف سے ملتے تھے۔ ان ''دوروں'' میں اکابر مدینہ سے ملاقات بھی ہوتی جیسے :

۱- ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : سوید بن صامت (ان کے بعض اشعار بھی نقل کیے ہیں، بعاث سے قبل بطور مسلم قتل ہوئے۔ ۲- ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : ابوالحسیر انس بن رافع، ایاس بن معاذ وغیرہ سے ملاقات۔ ۳- ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : خزرج کے چھ نفری وفد سے ملاقات دعوت وطلب حمایت، ان کا قبول اسلام (تفصیل سے) ان کی مدینہ میں تبلیغ اسلام اور اشاعت دین۔ ۴- ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : اولین بیعت عقبہ، ان کے شرکاء کی فہرست معہ خاندانی نسبت۔ ۵، ۶- ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث بیعت عقبہ (دو روایات)۔ ۷- ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : حضرت مصعب بن عمیر عبدری کی بطور امام ومقری تقرری اور مدینہ روانگی۔ ۸- ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : حضرات اسعد بن زرارہ و مصعب بن عمیر کی تبلیغی مساعی سے شیوخ واکابر اوس وخزرج کا قبول اسلام اور بعد کے واقعات مع تفصیلات۔ ۹- ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : حضرت مصعب کی مکہ واپسی، مدنی مسلمانوں کا حج، حدیث حضرت کعب، واقعہ حضرت براء بن معرور، بیعت عقبہ ثانیہ ربیعت حرب، تفصیلات، بارہ نقباء کی تقرری۔ ۱۰- ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : نقباء سے رسول اکرم ﷺ کی گفتگو اور ان کو ہدایت۔ ۱۱- ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : بیعت عقبہ ربیعت حرب کی تفصیلات مع تقاریر عباس بن عبادہ انصاری وغیرہ۔ ۱۲- عاصم بن عمر بن قتادہ کی ضمنی روایت : حضرت عباس انصاری خزرجی کے بارے میں مزید تفصیل۔ ۱۳- ابن حمید ر سلمہ رابن اسحاق : حدیث حضرت کعب بن مالک بابت اشاعت بیعت عقبہ وغیرہ۔

حدیث حضرت کعب بن مالک کے خاتمہ پر امام ابوجعفر نے کہا ہے کہ ابن اسحاق کے علاوہ دوسروں نے (وقال غیر ابن اسحاق) کہ انصار بیعت کے لیے ذوالحجہ میں آئے تھے اور ان کے بعد اس سال کے بقیہ ایام ذی الحجہ، محرم و صفر میں مکہ میں قیام نبوی رہا اور دوشنبہ ۱۲/ ربیع الاول کو آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ اس کے بعد علی بن نصر بن علی کی روایت حضرت عروہ دی ہے جو ارض حبشہ کے مہاجرین کی مکہ یا مدینہ واپسی کے بارے میں ہے اور اس میں مدنی ستر نقیبوں کی مکہ آمد اور بیعت حرب کا بھی ذکر ہے۔ (۲/ ۳۴۸-۳۶۶)

قریش کی بیعت عقبہ سے آگاہی: امام طبری نے بیعت عقبہ ثانیہ/ بیعت حرب سے قریش کے اکابر کی واقفیت اور اس کی وجہ سے بعض اکابر مدینہ جیسے حضرت سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو/ بنو ساعدہ پر ان کے حبس و ظلم کا واقعہ اور ان کی رہائی اور مدینہ میں اسلام کی اشاعت کا ذکر اول اول ابن حمید/ سلمہ/ ابن اسحاق کی روایت سے کیا ہے۔ اس میں بعض اہم تجارتی و معاشرتی تفصیلات و واقعات بھی مذکور ہوئے ہیں۔ پھر اپنے بیان سے مدینہ میں اسلام کی اشاعت وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ (۲/ ۳۶۶-۳۶۸)

ہجرت مدینہ: ابوجعفر نے اپنے تمہیدی بیان میں ہجرت کی اجازت الٰہی اور سورہ انفال: ۳۹ کے ذریعہ اذن قتال اور مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت نبوی کا ذکر کیا ہے اور اولین مہاجرین مکہ کا مدینہ میں پہنچنا اور اکابر خزرج و اوس کے ساتھ قیام کرنا بیان کیا ہے۔ پھر رسول اکرم ﷺ کی ہجرت کا واقعہ مع پس منظر اور تفصیل بیان کیا ہے اور اس کو متعدد روایات سے مستند کیا ہے۔

۱- ابن حمید/ سلمہ/ ابن اسحاق: قریشی منصوبہ قتل اور اشراف قریش کی نام بہ نام صراحت و تفصیلات۔ (۲/ ۳۶۸-۳۷۲): ابوجعفر نے کہا ہے کہ اس قصہ میں اس مقام پر بعض نے یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی کو جب اپنے بستر پر لٹا دیا اور قریش نے آپ ﷺ کا گھر گھیر لیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اگر ابوبکر آئیں تو ان کو غار ثور بھیج دینا اور کہہ دینا کہ مدینہ کے راستے کے لیے ایک راہبر کر لیں اور میرے لیے ایک سواری خرید لیں اور رسول اکرم ﷺ ان کے گھیرے سے نکل گئے اور وہ دیکھ نہ سکے۔

۲-ابن حمید ر سلمہ ر ابن اسحاق: اکابر قریش کا گھیرا، رسول اکرم ﷺ کی ان پر بد دعا اور سورہ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے آغاز سفر ہجرت، اور آیات انفال: ۳۰، طور: ۳۰-۳۱ سے استشہاد وغیرہ۔

بعض لوگوں کی مزعومہ روایت کا بقیہ کہ حضرت ابوبکر رسول اکرم ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد آئے اور حضرت علی سے معلومات حاصل کر کے آپ سے جا ملے۔

۳-علی بن نصر جہضمی نے حضرت عروہ کی روایت بیان کی ہے کہ ہجرت کی اجازت الٰہی سے قبل آیت قتال اتری اور حضرت ابوبکر نے ہجرت کی تیاری کی۔ اس میں حضرت عائشہؓ کی طویل حدیث ہجرت ہے جو مشہور تفصیلات بیان کرتی ہے۔

۴-ابن حمید ر سلمہ ر ابن اسحاق: حضرت عائشہ صدیقہ کی طویل حدیث ہجرت نبوی۔

۵-ابن حمید ر سلمہ ر ابن اسحاق: ہجرت نبوی کے بعد ابوجہل مخزومی کی خانہ صدیقی میں آمد اور معلومات حاصل کرنے میں ظلم و زیادتی معہ اشعار۔

۶-احمد بن مقدام عجلی ر کلبی: اشعار نا معلوم بابت ہجرت۔

۷-ابوجعفر کا بیان کہ قباء میں آمد کی تاریخ ۱۲؍ ربیع الاول بروز دوشنبہ، بوقت شدت ضحیٰ تھی۔

۸-ابن حمید ر سلمہ ر ابن اسحاق: مدینہ میں استقبال کی تیاریاں، ندائے ہاتف، آمد نبوی، کلثوم بن ہدم کے گھر نبوی قیام، ہجرت۔

۹-ابن حمید ر سلمہ ر ابن اسحاق: علی، قیام قباء، مدت قیام مکہ پر اختلاف سلف: ۱-ابن المثنیٰ از انس: دس سالہ قیام مع تین روایات۔

۱۰-ابن حمید ر سلمہ ر ابن اسحاق: مع تین روایات۔ ۲-تیرہ سالہ قیام، ابن المثنیٰ، محمد بن خلف، محمد بن معمر، عبید الوراق کی روایات۔

۱۱-ابوجعفر نے تیرہ سالہ قیام مکہ کی روایات کی تائید حضرت ابوقیس صرمہ بن ابی انس نجاری خزرجی کے قصیدہ سے فراہم کی ہے جس کے آٹھ اشعار نقل کیے ہیں۔

۱۲-بعض نے مکہ میں قیام نبوی کی مدت پندرہ سال بتائی ہے: بروایت حارث ر ابن سعد ر واقدی۔

۱۳- وحی کے نزول سے قبل تین سال تک حضرت اسرافیل رسول اکرم ﷺ کے "قرین" رہے تھے: بروایت حارث/ابن سعد/واقدی و بروایت ابن ابی عدی وغیرہ۔

آخر میں امام ابوجعفر نے ان مختلف اقوال قیام کے بارے میں اپنی توجیہ پیش کرکے ان میں تطبیق دی ہے۔ (۲/۲/۳۷۲-۳۸۷)

تاریخ متعین کرنے کے وقت کا ذکر: امام طبری نے اس مختصر بحث میں ان روایات کا ذکر کیا ہے جو تاریخ ہجرت/ہجری تقویم کو متعین کرنے کے بارے میں مروی ہیں جیسے:

۱- بروایت زکریا بن یحییٰ از امام زہری: مدینہ تشریف آوری کے بعد رسول اکرم ﷺ نے تاریخ کا حکم دیا۔ دوسری روایت زہری بھی (قبل سے یہ روایت ہے، دوسری روایت میں فقرہ تضعیف نہیں ہے۔ ۲- ابوجعفر کا کہنا ہے کہ صحابہ آپ ﷺ کی آمد کے بعد ایک ماہ یا دو ماہ سے تاریخ شروع کرتے تھے۔ ۳- کہا گیا کہ اولین شخص جنہوں نے اسلام میں تاریخ لکھنے کا حکم دیا وہ حضرت عمر بن خطابؓ تھے اور اس کے بارے میں اخبار و رواۃ یہ ہیں: ۱- محمد بن اسماعیل نے شعبی/ابوموسیٰ اشعری: ہجرت سے ۲- محمد بن اسماعیل نے میمون بن مہران/حضرت عمر ۳- امیہ بن خالد و ابوداؤد طیالسی/محمد بن سیرین ۴، ۵- محمد بن اسماعیل/سہل بن سعد اور ابن عباس، مزید دو روایات محمد مذکور از ابن عباس و عبید بن عمیر ۸- عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالحکم/ابن عباس، مزید ایک اور روایت عبدالرحمٰن/سعید بن المسیب ۱۰- احمد بن ثابت رازی/عمرو بن دینار ۱۱- علی بن مجاہد/ابن اسحاق: تاریخ لکھنے کی تاریخ از بنو اسماعیل تا تاریخ ہجرت از حضرت عمر۔ ابوجعفر نے اس روایت کی تائید میں دلائل دیے ہیں۔ آخر میں بعثت نبوی سے ہجرت مدینہ تک مختلف تاریخوں کا ذکر سنین کے اعتبار سے کیا ہے اور اس میں ابراہیم بن سعید جوہری/ابن عباس کی روایت کے بعد ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاق کی روایت دی ہے جو تاریخ ہجرت ۱۲/ربیع الاول دوشنبہ ثابت کرتی ہے اور اسی کو ابوجعفر نے تسلیم کیا ہے اور دو ماہ کے فرق کی توجیہ کی ہے۔ (۲/ ۳۸۸-۳۹۳)

واقعات سنہ ۱/ہجری: امام طبری نے مکی دور کے واقعات سیرت کو موضوعات کے اعتبار سے بیان کیا ہے اگرچہ اس میں بھی تاریخی ترتیب کا لحاظ رکھا ہے۔ سنہ ہجری کے آغاز سے

وہ واقعات کو سن وار بیان کرنے کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں اور شروع میں ایک تمہید میں واقعات کا خلاصہ یا تعارف دے دیتے ہیں اور پھر یکے بعد دیگرے واقعات بیان کرتے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی روایات دیتے ہیں۔

۱- بنوسالم میں اولین جمعہ اور اس کا خطبہ: بروایت یونس بن عبدالاعلیٰ بواسطہ شیوخ / سعید بن عبدالرحمٰن جمحی: متن خطبہ سمیت۔ ۲-شہر مدینہ آمد اور خانہ ابوایوب میں قیام: بروایت ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق: مربد سہیل وسہل کے پاس ناقہ کا جلوس۔ ۳-تعمیر مسجد نبوی میں ابوجعفر کا تمہیدی بیان اور: بروایت مجاہد بن موسیٰ / انس بن مالک: صحیح ترین روایت، باقی قیل سے، تعمیر مسجد قبا کا حوالہ بھی۔ ۴-وفیات مسلمانان: کلثوم بن ہدم، اسعد بن زرارہ: بروایت ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق، ان کی دوسری روایت محمد بن عبدالاعلیٰ / انس کے بعد۔ بنوالنجار کے نقیب رسول اکرم ﷺ مکہ میں ابواحیحہ و ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل سہمی کی وفات۔ ۵-حضرت عائشہ کی رخصتی معہ تاریخ زواج وغیرہ: عبدالحمید بن بیان السکری / عبداللہ بن صفوان وغیرہ از حضرت عائشہ مع واقعات معاشرت۔ شوال میں شادی اور شوال میں رخصتی: روایات متعددہ: ابن بشار / عائشہ، وکیع / عائشہ، ابوجعفر کا تبصرہ کہ منگل کے روز سخ میں حضرت ابوبکر کے گھر میں رسول اکرم ﷺ کی شب زفاف۔ (قیل کے صیغہ سے) ۶-بنات طاہرات اور حضرت سودہ کی مکہ سے آمد: بلاسند و روایت۔ (فیما ذکر لی) ۷-نماز حضر میں دو رکعات کا اضافہ: واقدی کا خیال (زعم) کہ اس باب میں اہل حجاز میں کوئی اختلاف نہیں۔ ۸-بعض کے قول میں اسی سال ولادت حضرت عبداللہ بن زبیر: واقدی کے قول میں دوسرے سال ولادت، اس کی روایت حارث / ابن سعد / واقدی: بیس ماہ بعد۔ ۹-ولادت نعمان بن بشیر در انصار: قول واقدی: ابن سعد / واقدی، محمد بن عیسیٰ / سہل بن ابی حثمہ کی روایت، بدر سے تین چار ماہ قبل دونوں ولادتوں کے بارے میں واقدی اور ابوالاسود کی روایات، ابوجعفر کا قول کہ اسی سنہ میں مختار بن ابی عبید ثقفی اور زیاد بن سمیہ کی ولادت بھی کہی گئی ہے۔ (قیل) ۱۰-سریہ حمزہ بن عبدالمطلب سنہ ۱ھ: واقدی کا زعم: شہر رمضان میں۔ ۱۱-سریہ عبیدہ بن حارث سنہ ۱ھ: واقدی کا زعم شوال میں، قریشی امیر السریہ پر اختلاف مگر بقول واقدی ثبت یہ ہے کہ ابوسفیان بن حرب تھے۔ ۱۲-سریہ سعد بن ابی وقاص / خرار: بروایت

ابوبکر بن اسماعیل/از حضرت سعد: تفصیل سریہ۔

ابوجعفر فرماتے ہیں کہ ان سرایا کے بارے میں ہم نے واقدی کا قول بیان کیا ہے اس کے خلاف ابن اسحاق کا قول ہے کہ وہ سب تاریخ کے دوسرے سال میں ہوئے تھے۔ پھر ابن حمید/ سلمہ بن الفضل/ابن اسحاق کی روایت دی ہے جس کے مطابق رسول اکرم ﷺ ربیع الاول سے سال دوم کے محرم تک مدینہ میں قیام پذیر رہے اور اس سال اول میں حج مشرکین کی ولایت میں ہوا اور پھر صفر میں ہجرت کے بارہ ماہ بعد آپ غزوہ پر نکلے۔ (۲/۳۹۴-۴۰۳)

غزوات ودان/ابواء، سرایا عبیدہ بن الحارث وحمزہ بن عبدالمطلب، بواط، عشیرہ کا ذکر امام طبری نے ابن اسحاق کی روایت مذکورہ بالا کی بنا پر کیا ہے اور درمیان میں اسے دوبارہ دہرایا ہے اور بعض اختلافی آراء جیسے سریہ حمزہ اولین تھا یا سریہ عبیدہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ اور اس سنہ کا خاتمہ واقدی کے اس زعم پر کیا ہے کہ اسی سال اول میں ابوقیس بن الاسلت حاضر خدمت ہوا اور اسلام سے متاثر ہوا مگر قبول نہ کیا اور عبداللہ بن ابی نے اسے اور برگشتہ کر دیا۔ (۲/۴۰۳-۴۰۶)

سنہ ۲ھ کے واقعات: غزوات ابواء (تمام اہل سیر کے قول میں)، بواط (بقول واقدی)، طلب کرز بن جابر فہری (بقول واقدی) کو بیان کر کے امام طبری نے غزوہ ذات العشیرہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے جس میں حضرت علی کے ابوتراب سے تسمیہ کا واقعہ وغیرہ بھی مذکور ہے۔ یہ قول مذکور کا تسلسل ہے اور بعد میں ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاق کی روایت اور ایک روایت قیل سے بھی ہے۔ (۲/۴۰۸-۴۰۹)

ابوجعفر نے اپنے قول سے حضرت فاطمہ سے حضرت علی کی شادی کا واقعہ بیان کر کے اسے واقدی کی روایت سے مستند کیا ہے۔ سریہ عبداللہ بن جحش کو اپنے تمہیدی بیان سے شروع کر کے ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاق کی روایت سے مستند کیا ہے اور اسے درمیان میں واقدی کے قول سے توڑا ہے کہ یہ سریہ بارہ مہاجرین پر مشتمل تھا اور پھر حدیث ابن اسحاق کی طرف رجوع کر کے کافی تفصیل دی ہے۔ امام ابوجعفر نے اس قصہ میں ابن اسحاق اور واقدی دونوں کی مخالفت میں یا ان کے برعکس سدی کی روایت دی ہے۔ آخر میں اپنے قول سے یہ کہا ہے کہ اول اول ابوعبیدہ بن جراح کو امیر بنانے کا خیال تھا پھر حضرت عبداللہ بن جحش کو بنایا اور اسے محمد بن

عبدالاعلیٰ رجندب بن عبداللہ کی روایت سے مستند کیا ہے۔

سال دوم ہجری کے بقیہ واقعات ہیں:

تحویل قبلہ اس سنہ میں اور جمہور اعظم کے مطابق نصف شعبان اور ہجرت کے اٹھارہویں ماہ ہوئی: بروایت موسیٰ بن ہارون رابن عباس اور بروایت مرہ ہمدانی رابن مسعود، ۳-ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق۔ ۴-ابن سعد رواقدی۔

دوسری تاریخ تحویل ہے: ہجرت کے سولہ ماہ بعد: بروایات مثنیٰ بن ابراہیم آملی رقتادہ، یونس بن عبدالاعلیٰ رابن زید۔

فرضیت صیام رمضان: صوم عاشوراء ریہود کا معمول وغیرہ، زکوٰۃ الفطر کا حکم نبوی، نماز عید اور اس میں نیزہ کا استعمال: سب بیان ابوجعفر سے بلاحوالہ روایت۔ (۲ر۴۰۷-۴۱۸) (باقی)

نکاح وطلاق میں زوجین کے حقوق کا تعین

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

طلاق کو نکاح پر محمول کر کے اسے زوجین کا دوطرفہ حق قرار دینا، قرآن کے یکسر خلاف معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ نکاح یک طرفہ نہیں بلکہ دوطرفہ عمل ہے جو زوجین کے باہمی ایجاب وقبول سے قائم ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں نکاح کی نسبت، جہاں مردوں کی طرف کی گئی ہے۔ وہیں عورتوں کی طرف بھی کی گئی ہے جس سے اس عمل کے دوطرفہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔(۱) مگر واضح رہے کہ قرآن مجید میں طلاق کی نسبت بیویوں کی طرف نہیں کی گئی جو اس امر کا کھلا ثبوت ہے کہ طلاق دینے کا عمل دوطرفہ ہرگز نہیں بلکہ یک طرفہ ہے۔ ذیل میں ان دعووں کے ثبوت میں قرآنی نصوص پیش کی جاتی ہیں۔

سب سے پہلے نکاح کے دوطرفہ ہونے کا ثبوت ذیل کی آیات میں ملاحظہ کیجیے۔ اس ضمن میں اولاً عورتوں کے حق نکاح کو بیان کیا جاتا ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرہ/۲۳۰)

پھر اگر وہ (شوہر) عورت کو (تیسری مرتبہ) طلاق دے دے تو بعد از طلاق وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرلے۔

اس آیت میں تنکح واحد مونث غائب کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فاعل مرد نہیں بلکہ (مطلقہ) عورت ہے جو اس کے حق نکاح کو قانونی جواز مہیا کر رہا ہے۔

مراجعت یعنی رجوع بھی چونکہ دوطرفہ عمل ہوتا ہے جو گاہے دوران عدت اور گاہے بعد از

شعبۂ علوم اسلامیہ، جامعہ، کراچی۔

عدت یعنی بہ شکل نکاح ثانی وجود پذیر ہوتا ہے اس لیے یہ بھی نکاح یا از قبیل نکاح ہونے کے سبب حق نکاح پر ہی دلیل بنتا ہے۔ اسی لیے آیت مذکورہ کے دوسرے فقرے میں ارشاد ہوا ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا (البقرہ/۲۳۰)

پھر اگر وہ بھی (یعنی دوسرا شوہر) اسے طلاق دے دے اور وہ عورت اور (اس کا) سابق شوہر باہم (بذریعہ نکاح) رجوع کرلیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

اس آیت میں یتراجعا نکاح کے مفہوم پر متضمن ہوا ہے یعنی جب وہ دونوں رجوع کرلیں۔ طالق و مطلقہ دونوں از سر نو نکاح کرلیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نکاح، دوطرفہ عمل ہوتا ہے یک طرفہ نہیں۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ/۲۳۲)

جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کرچکیں، تو (اے والیو!) انہیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کی تجدید کرلیں۔ بشرطیکہ جانے پہچانے قاعدہ کے مطابق، ان کے درمیان راضی نامہ ہوجائے۔

آیت میں موجود ینکحن کا لفظ مضارع جمع مونث غائب کا صیغہ ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ "فاعل نکاح" وہی مطلقہ عورت ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ/۲۳۴)

اور جو لوگ (اے ایمان والو!) تم میں سے وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے (بیوہ) عورتیں چھوڑ جائیں تو ایسی عورتیں، چار ماہ دس دن تک اپنے آپ کو (نکاح ثانی سے) روکے رکھیں۔ پھر جب وہ یہ عدت پوری کرچکیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (نکاح) کرلیں تو تم پر (اے والیو!) کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

اس آیت میں فیما فعلن فی انفسهن کے الفاظ میں دیگر جائز حقوق کے ساتھ جہاں بیوہ عورت کے حق نکاح کو بیان کیا گیا ہے وہیں اس کے حق نکاح کو امر معروف بھی قرار دیا

گیا ہے۔

اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۰ میں بھی فیما فعلن فی انفسھن کے الفاظ دہرائے گئے ہیں ظاہر ہے کہ وہاں بھی بیوہ عورتوں کا حق نکاح آیت مذکورہ بالا کی طرح ثابت و موجود ہے۔ فیما فعلن میں فعل کو خود ان کی طرف منسوب کرنے میں یہ اشارہ موجود ہے کہ بیوہ عورتیں بھی (مطلقہ عورتوں کی طرح) اپنے نکاح کی خود مختار ہیں۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (النساء/۱۹)

اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ امر حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ (یعنی تم انہیں اپنی ملکیت سمجھنا شروع کردو) اور دیکھو! انہیں اس لیے (نکاح ثانی سے) مت روکو کہ جو کچھ تم نے انہیں (مہر و متاع کی صورت میں) دے رکھا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس لو بجز اس کے کہ وہ کھلی بدکاری پر اتر آئیں۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۳۲ میں فلا تعضلوھن کے الفاظ پر نظر رہے تو سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۹ میں ولا تعضلوھن کا مفہوم بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔ تصریف آیات کے اصول پر اسے نکاح ثانی کے مفہوم پر دلیل بنایا گیا ہے بر بنائے استدلال کہا جاسکتا ہے کہ یہاں بھی مطلقہ عورت کے حق نکاح کو اصولاً تسلیم کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں بتایا گیا ہے کہ پروردگار عالم نے نکاح کا اختیار مردوں کی طرح عورتوں کو بھی دیا ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ اختیار صرف مردوں کے لیے مخصوص نہیں ہے۔

اب ذیل میں وہ آیات ملاحظہ کیجیے، جن میں نکاح کی نسبت مردوں کی طرف کی گئی ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (الاحزاب/۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو۔

نکحتم جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اس آیت میں نکاح کی نسبت مردوں کی طرف کی گئی ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ (البقرہ/۲۲۱)

اور تم مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو، جب تک وہ مسلمان نہ ہوجائیں اور یقیناً مسلمان کنیز، مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ تمہیں کتنی ہی اچھی لگے۔

آیت میں لا کلمۂ نہی کے بعد تنکحوا کا لفظ مضارع جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت میں بھی نکاح کی نسبت مردوں کی طرف کی گئی ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء/۳)

سو اپنی پسندیدہ عورتوں سے نکاح کرو۔

فانکحوا، نکاح مصدر سے امر جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے، جو اس امر کا ثبوت ہے کہ یہاں بھی نکاح کرنے کی نسبت مردوں کی طرف کی گئی ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ (النساء/۲۵)

اور تم میں سے جو کوئی (اتنی) استطاعت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرسکے تو ان مسلمان کنیزوں سے (نکاح کرلے) جو تمہاری زیردست ہیں۔

اس آیت میں نکاح کی نسبت لفظاً ایک مرتبہ اور مورداً دو مرتبہ مردوں کی طرف کی گئی ہے جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ آزاد عورت سے نکاح کے ضمن میں اور دوسری مرتبہ کنیز سے نکاح کے بیان میں۔

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ (النساء/۲۵)

سو ان (کنیزوں) سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے نکاح کرو۔

اس فقرے میں ایک بار پھر نکاح کی نسبت مردوں کی طرف کی گئی ہے۔

مذکورہ بالا سطور میں ہم نے پانچ آیتیں عورتوں کے حق نکاح کے ثبوت میں پیش کی تھیں۔ اسی مناسبت سے پانچ حوالے مردوں کے حق نکاح کے ثبوت میں بھی پیش کردیے۔

مذکورہ بالا آیات میں نکاح کی نسبت مرد وعورت، دونوں کی طرف کی گئی ہے جو اس امر کا

ثبوت ہے کہ نکاح مرد وعورت کے باہمی ایجاب وقبول سے دوطرفہ معاملہ ہوتا ہے۔اس لیے حق نکاح کی یہ مثلیت حق طلاق پر دلیل نہیں بن سکتی پھر یہیں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نکاح ،طرفین کی باہمی رضامندی پر منحصر ہے۔نکاح بالجبر شرعاً جائز نہیں البتہ فسخ نکاح میں طرفین کی باہمی رضامندی ضروری نہیں ہوتی۔کسی ایک فریق سے بھی یہ گرہ کھل سکتی ہے اس فرق کے ساتھ کہ شوہر یہ گرہ قرآنی شرائط کے مطابق ازخود کھول سکتا ہے اور بیوی یہ گرہ کھولنے کا مطالبہ اولاً شوہر سے بہ صورت انکار، معاشرہ کے سرکردہ افراد سے کرسکتی ہے۔اول الذکر صورت میں یہ معاملہ شوہر کے ہاتھوں اور موخر الذکر صورت میں صاحب اثر ونفوذ کے ہاتھوں حل ہو جاتا ہے یعنی بالآخر گرہ کھل جاتی ہے۔اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ سے نکاح کی گرہ کھولنا مراد ہے نا کہ باندھنا۔ کیونکہ نکاح دوطرفہ عمل ہے اور چونکہ یہ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ کسی ایک معنی کا طلب گار ہے اس لیے وہ گرہ یعنی طلاق دینے کے سوا کسی اور مفہوم پر منطبق نہیں ہوسکتا پس اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ کا مطلوب معنی ہمارے نزدیک یہ ہے۔

''اور وہ جس کے ہاتھ میں گرہ نکاح کھولنے کا اختیار ہے''۔

آیت زیر بحث کو اس کے مالہ وما علیہ کے ساتھ دیکھا جائے تو بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ سے نکاح کی گرہ باندھنا نہیں بلکہ کھولنا ہی مراد ہے مگر اس تفہیم کے لیے آیت کو بہ نظر غائر دیکھنا ہوگا۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّا اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (البقرہ/۲۳۷)	اور اگر تم اپنی عورتوں کو مس کرنے سے پہلے طلاق دے دو (بشرطیکہ) ان کا مہر تم نے مقرر کرلیا ہو تو آدھے مہر کی ادائیگی لازمی ہے سوائے اس صورت کے کہ خود عورتیں یہ مہر چھوڑ دیں یا وہ شخص (اپنا حق) چھوڑ دے (یعنی بغیر طلب کے زیادہ یا پورا مہر دے دے) جس کے ہاتھ میں گرہ نکاح کھولنے کا اختیار ہے اور (اے مردو!) تمہارا چھوڑنا (یعنی زیادہ دینا) تقویٰ سے زیادہ قریب تر ہے۔

غور فرمائیے کہ آیت کا مضمون طلاق سے شروع ہوا، ایسی طلاق کہ جس کے بعد ادائے مہر کا مسئلہ درپیش ہے۔ چونکہ مہر متعین ہے اس لیے اس کا نصف دینا واجب قرار دیا گیا۔ مگر حرف استثناء اِلَّا کے بعد مہر کے تعلق سے دونوں فریقوں کو کچھ اختیار بھی دیا گیا، سب سے پہلے عورت کا اختیار کہ اگر وہ اپنا نصف جو ابھی قابل ادا یا ادا شدہ ہے اپنے شوہر کو چھوڑنا چاہے تو چھوڑ دے اس چھوڑنے کو معاف کرنے سے تعبیر کیا گیا کیونکہ مہر کی اصل اور واحد حق دار بیوی ہے نہ کہ اس کا ولی۔ اس لیے یہ اختیار بھی اسی کو سونپا گیا اور عورت کے اس حق سے متصل دوسرے فریق کا اختیار يَعْفُوَ الَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ کے الفاظ میں بیان ہوا جس کا مخاطب شوہر کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا یعنی جس طرح عورت اپنا ادا شدہ یا قابل ادا مہر چھوڑ سکتی ہے۔ اسی طرح شوہر بھی اپنے بقایا نصف کا حق چھوڑ سکتا ہے۔ یہاں اسی حق کے چھوڑنے کو زیادہ دینے سے تعبیر کیا گیا، یہ ہے عفو مہر کا صحیح مفہوم پھر وَاَنْ تَعْفُوْآ کے الفاظ میں مرد کے چھوڑنے یعنی بڑھا کر دینے کو اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی سے تعبیر کیا گیا۔

بہر حال بحیثیت مجموعی آیت پر نگاہ رہے تو بلا تکلف کہا جاسکتا ہے کہ بیدہ عقدۃ النکاح کے الفاظ گرہ نکاح باندھنے کی بجائے، کھولنے کے مفہوم پر بالکل صائب، برمحل اور موزوں ہیں۔ کیونکہ سیاق وسباق بھی اسی مفہوم کی جانب اشارہ کررہا ہے اور ویسے بھی یہ محل نکاح کرنے کا نہیں بلکہ طلاق دینے کا ہے اس لیے یہاں گرہ نکاح باندھنے کا مفہوم خلاف محل ہے، البتہ گرہ نکاح کھولنے کا مفہوم بالکل برمحل اور مطابق عبارت ہے۔

طلاق کا عمل دو طرفہ رضامندی کا متقاضی نہیں ہوتا یہ یک طرفہ رضا یعنی صرف شوہر کی مرضی سے واقع ہوجاتا ہے۔ جب کہ بیویوں کو یہ حق نہیں دیا گیا تاہم وہ طالب طلاق ہوکر حبالۂ عقد سے ضرور نکل سکتی ہیں جس کا طریقہ بھی قرآن میں مذکور ہے (البقرہ/۲۲۹) اور ساری امت میں رائج وشائع بھی ہے۔

متعدد آیتوں میں طلاق دینے کی نسبت صرف شوہروں کی طرف کی گئی ہے کسی ایک آیت میں بھی یہ نسبت بیوی کی جانب نہیں ملتی، اس حوالے سے درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔ مگر اس ملاحظے سے قبل مناسب ہوگا کہ اس امر کی وضاحت کردی جائے کہ قرآن مجید کے وہ تمام

مقامات، جہاں بالعموم مرد و عورت اور بالخصوص میاں بیوی کے حقوق و فرائض کو بیان کیا گیا ہے وہاں تفہیم مطالب میں صیغہ ہائے تذکیر و تانیث کا لحاظ خصوصیت کا حامل ہے اگر یہ لحاظ نہیں رکھا گیا تو یقیناً دونوں جنسوں کے باہمی حقوق غیر معین ہو جائیں گے جس کے نتیجے میں مسلم معاشرہ غیر منظّم اور غیر مربوط ہو کر رہ جائے گا، اس امر کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ قاعدۂ تغلیب کی رو سے قرآن مجید کے اکثر مقامات پر مذکر کے صیغے میں، چونکہ ہر دو جنسوں کو یکساں مخاطب کرلیا جاتا ہے اس بنیاد پر کسی کو خیال آسکتا ہے کہ زیر بحث آیات و مقامات پر بھی وہی قاعدۂ تغلیب کیوں نہ اختیار کرلیا جائے یعنی مردوں کے مخصوص احکام میں عورتوں کو شامل کر کے یا عورتوں کے مخصوص احکام میں مردوں کو شامل کر کے کوئی نیا مفہوم اخذ کرلیا جائے مگر جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ مرد و عورت اور میاں بیوی کے حقوق و فرائض کے تعین و تشخص میں، صیغہ ہائے تذکیر و تانیث ہی بنیادی عامل کا کردار ادا کرتے ہیں اور اصل میں یہ وہی حقوق ہیں جو ان ہر دو جنسوں کے صنفی پہلوؤں کے فطری و حیاتیاتی اختلاف کے پیش نظر الگ الگ وضع کیے گئے ہیں۔ اس لیے ایسے تمام مقامات پر صیغہ ہائے تذکیر و تانیث کا لحاظ بہت ضروری ہے اس وضاحت کے بعد اب ذیل کی آیات کا مطالعہ کیجیے:

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ (البقرہ/۲۲۷) اور اگر وہ (یعنی شوہر حضرات) طلاق دینے کا عزم کرلیں۔

دیکھ لیجیے! طلاق کی نسبت مردوں کی طرف کی گئی ہے کیونکہ عــزمــوا ماضی جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ م بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ م بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ (البقرہ/۲۲۹)	طلاق (یکے بعد دیگرے) دو ہیں۔ پھر انہیں حسن سلوک سے روک لیا جائے یا پھر انہیں بھلائی کے ساتھ رخصت کردیا جائے اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ مہر و متاع کی صورت میں انہیں (بیویوں کو) دیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس لوتاہم اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ وہ دونوں (لین دین کے بغیر) اللہ کی حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے اور ایسی

صورت میں عورت طلاق لینے کی غرض سے فدیہ کے
طور پر کچھ دے ڈالے تو (اس لین دین کا) دونوں
پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

اس آیت میں مردوں کے حق طلاق کے باب میں، فیصلہ کن انداز اختیار کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ بڑی وضاحت وصراحت سے عورت کی علاحدگی کا طریقہ بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ اس آیت کی موجودگی میں بیوی کے حق طلاق کے اثبات میں کچھ کہنا بلاشبہ غیر منصوص طرز فکر کو فروغ دینا ہے۔ فان طلقها (البقرہ/۲۳۰)

طلق ماضی واحد مذکر غائب، ھا ضمیر واحد مونث غائب، مطلب یہ کہ اگر وہ (یعنی شوہر) اسے (یعنی عورت کو) طلاق دے دے۔ یہاں بھی مردوں کا حق طلاق بالکل واضح ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ/۲۳۲)

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو (اے والیو!) انہیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کی تجدید کر لیں بشرطیکہ وہ دونوں آپس میں دستور ورواج کے مطابق راضی ہوں۔

اس آیت کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے:

"جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو پھر (اے والیو!) اس میں مانع نہ بنو کہ وہ اپنے زیر تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں"۔

طلقتم ماضی جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اس آیت میں طلاق کی نسبت تو مردوں کی طرف کی گئی ہے مگر نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے (ان ینکحن) اور یہ ہمارے موقف کے حق میں بہت بڑی دلیل ہے۔ یعنی حق نکاح میں مرد وعورت دونوں برابر ہیں جب کہ حق طلاق میں ایسا نہیں ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ

اور اگر تم عورتوں کو مس کرنے سے پہلے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ

فَرِيضَةً (البقرہ/۲۳۶) نہیں ہے۔

یہاں بھی طلاق کی نسبت مردوں کی طرف ہے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّا اَنْ يَعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (البقرہ/۲۳۷)

اور اگر تم عورتوں کو مس کرنے سے پہلے طلاق دے دو (بشرطیکہ) ان کا مہر تم نے مقرر کرلیا ہوتو آدھے مہر کی ادائیگی لازمی ہے، سوائے اس صورت کے کہ خود عورتیں یہ مہر چھوڑ دیں یا وہ شخص (اپنا حق) چھوڑ دے (یعنی بغیر طلب کے زیادہ یا پورا مہر دے دے) جس کے ہاتھ میں گرہ نکاح کھولنے کا اختیار ہے۔

یہاں طلقتموا ماضی جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور هن ضمیر جمع مونث غائب کی ہے۔

واضح ہو کہ یعفو کا مطلب زیادہ دینا نہ صرف از روئے لغت درست ہے بلکہ اس مفہوم کے استعمال کی مثالیں بعض مترجمین کے ہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ (م ۱۹۲۱ء)، مولانا سعید احمد سعید کاظمیؒ اور مولانا غلام رسول سعیدی وغیرہم کے تراجم میں یہی معنی لکھے گئے ہیں۔ ذیل میں بطور نمونہ ایک ترجمہ پیش خدمت ہے:

> ”مگر یہ کہ عورتیں چھوڑ دیں یا وہ زیادہ دیں جن کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور اے مردو! تمہارا زیادہ دینا پرہیز گاری سے نزدیک تر ہے“۔ (مولانا بریلویؒ)

عربی لغات میں عفا یعفو عفوا کے متعدد معانی ملتے ہیں، مذکورہ بالا ترجمے میں اسے بظاہر دو الگ الگ مفاہیم میں استعمال کیا گیا ہے، یعفون میں اپنا حق چھوڑنے یعنی معاف کرنے کا مفہوم بخوبی واضح ہے جب کہ یعفوا الذی میں یہ زیادہ دینے کے معنی میں نمایاں ہے اور زیادہ دینا بھی دراصل اپنا حق چھوڑنا ہے۔ عفو المال کے معنی ایسے مال کے ہوتے ہیں جو بغیر طلب کے دیا جائے۔ کہا جاتا ہے اعطیته عفوا یا اعطیته بالمال یعنی میں نے اسے بغیر مانگے دیا اور ویسے عفو کے اصلی معنی ترک کرنے یا چھوڑنے کے ہیں۔ عفا عنه کے معنی ہیں اسے بغیر سزا دیے چھوڑ دیا یعنی معاف کر دیا۔” صاحب لطائف اللغۃ نے اسے اضداد میں سے لکھا ہے یعنی اس کے معنی مٹا دینے کے بھی ہیں اور زیادہ کرنے کے بھی“۔ (۲)

قرآن کریم میں آتا ہے کہ:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ/۲۱۹)

(اے رسول!) یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ (تمہاری حاجتوں اور ضرورتوں سے) بچا ہوا ہے (سب دے دو)۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں اضافی چیز یا فاضل مال کو عفو کہتے ہیں وہیں مال زائد وفاضل کے دینے کو بھی عفو کہتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ ساری بحث جس تقدیر پر کی گئی ہے۔ وہ آیت کے مجموعی مفاد و مفہوم پر مشتمل ہے۔ اگر آیت کے ترجمے کو فقط لغوی پہلو سے دیکھا جائے تو میرے نزدیک جناب جاوید احمد غامدی کا ترجمہ نہایت عمدہ ہے، وہ فرماتے ہیں: ''الا یہ کہ وہ اپنا حق چھوڑ دیں یا وہ چھوڑ دے، جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور یہ کہ تم مرد اپنا حق چھوڑ دو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ (۳) عفو کا اصلی معنی جو غامدی صاحب کے ترجمے میں ہے، میں نے اپنے ترجمے میں وہی معنی لکھے ہیں۔ البتہ قوسین میں اس کا مفہوم ضرور واضح کر دیا ہے۔ جس سے ترجمہ لفظی ہونے کے باوجود تفسیری نوعیت کا بھی ہو گیا ہے اور اس طرح معنی و مفہوم دونوں جمع ہو گئے ہیں۔

یہ امر بھی خصوصی توجہ کا طالب ہے کہ بعض نے او یعفوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے عورت کا ولی مراد لیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ عورت کے ولی کے ہاتھ میں عقدۂ نکاح ماننے سے لازم آئے گا کہ اسے مہر کے قبضہ و تصرف کا بھی حق دار مانا جائے، جب کہ یہ کسی کو بھی تسلیم نہیں کیونکہ مہر صرف عورت کا حق ہے اس کے ولی کا نہیں۔ جسے وہ معاف کرے، اس لیے اس فقرہ کے صحیح مفہوم میں شوہر کے سوا کسی اور کو ماننے سے خلل لازم آتا ہے اسی لیے ابن رشد نے لکھا ہے:

> ''جن لوگوں نے ضمیر کا مرجع ولی کو مانا ہے، خواہ وہ باپ ہو یا کوئی اور انہوں نے شریعت میں اضافہ کیا ہے اور اس لیے ان پر واجب ہے کہ کوئی ایسی دلیل پیش کریں جس سے معلوم ہو کہ شوہر کے مقابلے میں ولی کو مرجع ماننا زیادہ مناسب اور واضح ہے اور یہ کارِ دشوار ہے''۔ (۴)

واضح رہے کہ عقد نکاح، عام معاہدوں کی طرح کا کوئی معاہدہ نہیں ہے بلکہ یہ عام معاہدوں سے بالکل مختلف معاہدہ ہے، جس میں مرد کی حیثیت، شریک غالب اور عورت کی حیثیت، شریک

مغلوب کی ہوتی ہے اوراس کی سند وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (البقرہ/۲۲۸) کے اندر موجود ہے۔

عقد نکاح میں مرد کا مہر و نان نفقہ اور سکنیٰ کی شرعی ذمہ داری اٹھانا بھی اس کے شریک غالب ہونے کی دلیل ہے نیز اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء:۳۴) میں بھی مرد کے شریک غالب ہونے کی صراحت موجود ہے۔ اسی لیے آیت زیر بحث کے اگلے فقرے میں وَاَنْ تَعْفُوْا آیا ہے جو جمع مذکر حاضر میں امر کا صیغہ ہے اور اس کے مخاطب بھی شوہر حضرات ہیں جنہیں اپنا حق چھوڑنے یعنی زیادہ دینے کا حکم محض اس فضیلت کی بنیاد پر دیا گیا ہے جو انہیں وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (البقرہ/۲۲۸) کی رو سے حاصل ہے تا کہ روح فضیلت برقرار رہے۔

رہا یہ اعتراض کہ الذی سے مراد اگر شوہر ہوتا تو تعفوا کے صیغے سے خطاب کیا جاتا، جیسا کہ طلقتموھن میں ہوا ہے مگر لسان عربی مبین کے اداشناس جانتے ہیں کہ خطاب وغائب کے صیغوں سے ایک ہی شخص کو تعبیر کرنا "التفات" کہلاتا ہے جو فصاحت و بلاغت کا بہترین اصول ہے اسی طرح یہ اعتراض بھی بے معنی ہے کہ الذی سے مراد شوہر اس لیے نہیں ہو سکتا کہ اس کو تو مہر دینا ہے اور دینے کو معاف کرنا نہیں کہتے۔ اس اعتراض کے صحیح نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عفو کے متعدد معانی میں سے جہاں ایک معنی معاف کرنے کے ہوتے ہیں وہیں دوسرے معنی زیادہ دینے کے بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ ذیل میں مزید اضافی مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔ کہا جاتا ہے عفا فلان الشعر یعنی فلاں شخص نے بال بڑھا لیے، عفا شعر البعیر اونٹ کے بال لمبے اور زیادہ ہو گئے، عفا علیه فی العلم وہ علم میں اس سے آگے بڑھ گیا، عفا الصوف اون کو زیادہ بڑھا کر کاٹا۔ اسی طرح متعدد روایتوں میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اعفوا اللحی (۵) یعنی داڑھیاں بڑھاؤ۔ تفسیر البحر المحیط میں قاضی شریح کا یہ قول درج ہے جس میں انہوں نے کہا انا اعفو عن مهور بنی مرة وان کرهن (۶) یعنی میں اپنی قوم بنی مرۃ کی عورتوں کا مہر بڑھا کر دوں گا، اگرچہ انہیں ناگوار ہو۔ حضرت جبیر بن مطعم نے اپنی بیوی کو بغیر دخول طلاق دے کر اپنی مطلقہ کو پورا مہر دیا اور کہا انا احق بالعفو (۷) مطلب یہ کہ بغیر طلب کے دینے یعنی اپنا حق چھوڑنے کا حق، مجھے زیادہ ہے۔ اس تفصیل کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ اس آیت میں بھی صراحت کے ساتھ طلاق کی نسبت مردوں کی جانب ہے۔ الذی بیده عقدة النكاح کے فقرے سے تو

حق طلاق کا اختصاص خود ہی ظاہر ہے۔

اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا (الاحزاب/۴۹)	جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرنے کے بعد انہیں مس کرنے سے پہلے طلاق دے دو، تو ان پر کوئی عدت واجب نہیں ہوتی کہ جسے تم شمار کرنے لگو۔

اس آیت میں بیک وقت نکاح و طلاق دونوں کی نسبت مردوں کی طرف کی گئی ہے۔

يَـٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ (الطلاق/۱)	اے نبی! (مسلمانوں کو خبردار کردو کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انہیں ان کی عدت کے لحاظ سے (یعنی طہر بلا مباشرت میں) طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔

یہاں بھی حق طلاق کو مردوں کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے:

مذکورہ بالا آیتوں میں طلاق کی نسبت براہ راست مردوں کی طرف کی گئی ہے۔اس لیے بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ پورے قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی یہ نسبت عورتوں کی طرف نہیں کی گئی۔ ہمارے نزدیک وللرجال علیھن درجة (البقرہ/۲۲۹) میں شوہروں کی اپنی بیویوں پر ایک درجے کی فضیلت دراصل اسی حق طلاق کے باب میں بیان کی گئی ہے۔

زوجین کے حقوق و فرائض کی باہمی تقسیم میں مثلیت کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ جو حقوق و فرائض مردوں کے ہیں بالکل وہی حقوق و فرائض عورتوں کے ہیں اور ویسے بھی حقوق و فرائض میں بہ نفسہٖ مساوات کا مطلب یہ ہو بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ وظائف حیات کے پہلو سے حقوق و فرائض کی نوعیتوں میں بڑا فرق واقع ہوا ہے اور یہ وہ فرق ہے کہ جسے معمولی عقل والا بھی بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔

بالفاظ دیگر زوجین کے مابین نفس حقوق و فرائض میں مساوات کے ذکر کے فوراً بعد شوہروں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کے حقوق کی نوعیت یکساں نہیں ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ جس طرح کچھ حقوق مردوں کے ہیں ویسے ہی کچھ حقوق عورتوں کے بھی ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۲۷ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

”یہاں جس چیز کی طرف ہم توجہ دلانا چاہتے ہیں، وہ قرآن کے یہ الفاظ

ہیں کہ وللرجال علیھن درجة، اس کے معنی ظاہر ہیں کہ یہی ہو سکتے ہیں مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ ترجیح حاصل ہے، قرآن کے ان واضح الفاظ کی موجودگی میں ایک مسلمان کے لیے مساوات مرد و زن کے اس نظریے پر ایمان لانے کی گنجائش نظر نہیں آتی، جو ہمارے ہاں مغرب سے درآمد ہوا ہے۔ قرآن اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ عورت پر جس درجے کی ذمہ داریاں ہیں اسی کے ہم وزن اس کے حقوق بھی ہیں لیکن وہ یہ تسلیم نہیں کرتا کہ عورت اور مرد دونوں ہر اعتبار سے بالکل برابر ہیں بلکہ صاف الفاظ میں مرد کو عورت پر ایک درجہ ترجیح دیتا ہے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ یہ جو فرمایا ہے ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف تو اس کے معنی بھی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ عورت اور مرد دونوں کے حقوق برابر ہیں بلکہ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ عورت پر جس طرح ذمہ داریاں ہیں اسی طرح اس کے حقوق بھی ہیں"۔(۸)

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۲۷ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

"......طلاق کے معاملہ میں عورت کو مرد کے مساوی اختیار دینے کا رجحان، جو مغرب کی نقالی میں ہمارے مسلمان ممالک میں بڑھتا جا رہا ہے، شریعت کے بالکل خلاف ہے اور اس سے خاندانی نظام کا شیرازہ بالکل پراگندہ ہو کر رہ جائے گا"۔(۹)

نیز حق خلع اور تنسیخ نکاح دونوں بجائے خود اس امر کی دلیلیں ہیں کہ عورت کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے ورنہ یہ حقوق کبھی قائم نہ ہوتے جس پر پوری امت کا تواتر عملی موجود ہے۔ واضح رہے کہ یہ دونوں حقوق بھی ماخوذ من القرآن ہیں۔ (دیکھیے سورۃ البقرہ/۲۲۹)

پھر بیوی کے حق طلاق کو اس پہلو سے بھی دیکھیے کہ نکاح سے وابستہ وہ احکام جو کسی حکمت کے تحت مردوں پر عائد کیے گئے ہیں، مثلاً شوہر پر مہر اور نان نفقے کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ، سکنیٰ کی ذمہ داری وغیرہ۔ گو ایجاب وقبول کی حد تک زوجین کے حق نکاح میں مماثلت ہے مگر یہ فرق کیوں بھلا دیا جاتا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو بیاہ کر لاتا ہے، بیوی اپنے شوہر کو بیاہ کر نہیں لاتی۔ ان ہی ذمہ داریوں کے تناظر میں شوہر کو طلاق دینے کا یک طرفہ اختیار بخشا گیا ہے تا کہ گھر کا نظم ونسق قابو میں رہے۔ اگر یہ حق عورت کو تفویض کر دیا جائے تو نکاح سے وابستہ مذکورہ بالا مردانہ فرائض بھی ختم کرنے

پڑیں گے۔ یہ مردوں کے ساتھ زیادتی ہوگی کہ مرد تو عورت کی ہر طرح کی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اٹھائے اور عورت کو حق طلاق بھی حاصل ہو۔

بفرضِ محال اگر یہ ذمہ داریاں بجائے مردوں کے عورتوں پر ڈال دی جائیں تو انہیں یقیناً مردوں کی طرح طلاق کا یک طرفہ حق دیا جاسکتا ہے، بہ صورت دیگر انہیں یہ حق نہیں دیا جاسکتا۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) مگر واضح رہے کہ یہ نسبت فقط شوہر دیدہ عورتوں کی طرف کی گئی ہے خواہ وہ بیوہ ہوں یا مطلقہ۔ باکرہ عورتوں کی طرف یہ نسبت پورے قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے جس سے ہم یہ اخذ کرنے میں حق بہ جانب ہیں کہ اس مسئلہ میں کنواری عورتیں، شوہر دیدہ عورتوں کی مانند نہیں ہیں ان کے نکاح اگر ان کے سرپرستوں کے ذریعہ عمل میں آئیں تو زیادہ بہتر اور مناسب ہوگا۔ البتہ بعض استثنائی اور مخصوص حالات میں انہیں ازخود نکاح کرنے کا اختیار بھی حاصل ہوسکتا ہے اور وہ نکاح یقیناً ازروئے قیاس درست قرار پائے گا۔

(۲) لغات القرآن، ج ۳، غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ لاہور، ۱۹۹۳ء۔

(۳) بداية المجتهد ونهاية المقتصد، ترجمہ ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی، حصہ ۲، ص ۶۵۷، دارالتذکیر، رحمٰن مارکیٹ اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۶ء۔

(۴) میزان، ص ۴۴۷، المورد، ماڈل ٹاؤن، لاہور، طبع سوم، ۲۰۰۸ء۔

(۵) الصحيح البخاری، کتاب اللباس، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ الصحيح المسلم، کتاب الطهارة باب خصال الفطرة، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ مسند احمد بن حنبل عن ابی هريرة، المکتب الاسلامی، بیروت۔ شرح معانی الآثار للطحاوی، کتاب الكراهة، باب حلق الشارب، ایچ ایم سعید، کمپنی، کراچی۔

(۶) علامہ ابوالحیان، اندلسی (م ۷۴۵ھ)، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ۔

(۷) تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ)، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ۔

(۸) تدبر قرآن، ج ۱، ص ۵۳۳، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۵ء۔

(۹) ایضاً ص ۵۴۹۔

تاریخ عرب کا ایک ہندوستانی ماخذ رسالہ ''الندوہ'' لکھنؤ

کلیم صفات اصلاحی

رسالہ ''الندوہ'' ندوۃ العلماء لکھنؤ کی ابتدائی علمی و تعلیمی تاریخ کا ایک روشن ترین باب ہے۔ تاریخ عرب سے متعلق اس میں شائع اعلا پایہ کے تحقیقی مضامین کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس رسالہ کو عہد جدید کے معلم اول ''علامہ شبلی نعمانیؒ'' کے نام سے نسبت ہے۔ علامہ شبلی کو عربوں کی علمی، تعلیمی، تہذیبی اور معاشرتی تاریخ سے جو دلچسپی اور شغف ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، الفاروق، المامون، سیرۃ النعمان، الغزالی، الکلام و علم الکلام اور آخر میں سیرۃ النبی وغیرہ کی صورت میں جو کرنیں اس آفتاب علم سے مترشح ہوئیں، ان سے استفادہ کے بعد بلاشبہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ عربوں کی علمی اور تہذیبی جلالت و عظمت اور صالحیت کے سامنے دنیا کی دوسری تہذیب یافتہ قوموں کا علمی و تہذیبی جلال پھیکا ہے۔ بعض ناقدین نے اسلام اور عربوں سے ازلی دشمنی کے نتیجے میں ان کی تاریخ کو بدنما بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور خوردہ گیری کر کے انہوں نے عربوں کو جاہل، متعصب، تنگ نظر اور گنوار بھی ثابت کیا اور ان کی علمی و تہذیبی تاریخ کے روشن پہلوؤں سے نہ صرف پہلوتہی کی بلکہ ان کے دامن پر مزید دھبے بھی لگا دیے۔ علامہ شبلی کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی علمی بصیرت اور تحقیقی ژرف نگاہی سے جدید اصول و معیار پر ان داغوں کو مٹانے اور دھلنے کا فریضہ انجام دیا۔ ظاہر ہے یہ کام معمولی نہیں تھا۔ اس کے لیے انہوں نے بے پناہ محنت شاقہ کی اور اپنی حیات مستعار کا بیشتر حصہ اس دینی و ملی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ کتب خانہ اسکندریہ، مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، الجزیہ اور الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی وغیرہ کا تعلق براہ راست اسی

موضوع سے ہے۔ یہاں علامہ موصوف کی ان علمی سرگرمیوں کا احاطہ مقصود نہیں بلکہ یہ دکھانا ہے کہ مدیر الندوہ کو تاریخ عرب سے کیسی دلچسپی تھی، ان کے تصنیفی کارناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر اس شخص کے خلاف شمشیر برہنہ تھے جس کا قلم تاریخ عرب کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں رواں دواں ہوتا۔ ان کا جواب لکھنا وہ ضروری ہی نہیں بلکہ مذہبی فریضہ سمجھتے، ان کا خیال تھا کہ مسلمان خواہ دنیا کے جس خطۂ ارض پر بھی بود و باش رکھتے ہوں ان کی فکری، مذہبی، علمی، تعلیمی تاریخ کا اصل مرجع عرب ہیں۔ تاریخ عرب سے مسلمانوں کی دلچسپی فطری ہے۔ اس سے ان کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا مشہور جملہ ہے ''دنیا کی ترقی آگے بڑھنے میں ہے لیکن مسلمانوں کی ترقی اس میں ہے کہ وہ اس قدر پیچھے جائیں کہ صحابہ کی صف سے جاملیں''۔ اسی لیے انہوں نے اپنی زندگی کا مشن اسلام اور عربوں کی خدمت بنالیا تھا۔ یہی وجہ ہے قارئین شبلی کو ان کی کوئی بھی تحریر ایسی نہیں دکھائی دے گی جس میں اس جذبہ کی حدت وحرارت نہ محسوس ہو۔

الندوہ کا اجراء اور اس کے مقاصد: الندوہ لکھنؤ، ندوۃ العلماء کے ترجمان کی حیثیت سے سامنے آیا اور ندوۃ العلماء کے قیام کے تقریباً دس برس بعد جاری ہوا۔ اس کا خیال پہلے پہل علامہ شبلی کے ذہن میں ۱۹۰۲ء میں آیا لیکن بوجوہ اس سنہ میں اس کی اشاعت نہ ہو کر اگست ۱۹۰۴ء / جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ میں اس کا پہلا شمارہ مطبع صوفی محمد علی خاں آگرہ سے منظر عام پر آیا، اس کے سرورق پر علامہ شبلی کے ساتھ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کا بھی نام تھا جو ان کے خاص علمی رفیقوں میں تھے۔ اسی تعلق اور نسبت کے سبب حبیب شبلی نے بھی ادارتی فرائض بحسن وخوبی انجام دیے اور اعلیٰ پایہ کے تحقیقی مضامین سے الندوہ کے صفحات کو علمی وقار بخشا۔ جن میں زیادہ تر کا تعلق تاریخ عرب سے تھا۔ اس رسالہ کی پیشانی پر مقصد اشاعت کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

> ''علوم اسلامیہ کا احیاء، تطبیق معقول ومنقول اور علوم قدیمہ وجدیدہ کا موازنہ''۔

اس اجمال کی اگر تشریح وتفصیل کی جائے اور اس میں شائع مضامین کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ علامہ شبلی نعمانی اس رسالہ کے ذریعہ عربوں کی قدیم وجدید علمی اور ثقافتی تاریخ جس پر وقت نے مہر سکوت لگادی تھی اس میں زندگی کی تحریک پیدا کرنا۔ عجم سے اختلاط اور باہمی مجادلہ

ومباحثہ کے نتیجہ میں فلسفیانہ مباحث اور نقلی روایتوں کے درمیان جو دوریاں پیدا ہوگئی تھیں انہیں کم کرنا اور علوم قدیمہ وجدیدہ کے نقصانات وفوائد کا باہم موازنہ کرکے ان میں مطابقت پیدا کرنا چاہتے تھے جو یقیناً اس زمانے کے تقاضوں اور ضرورت کے مطابق تھا۔ظاہر ہے ان تمام علمی و فکری جولانیوں کا تعلق تاریخ عرب ہی سے تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ الندوہ لکھنؤ کا اصل اور بنیادی مقصد ہی تاریخ عرب کی صالح اور مثبت روایتوں کی ترویج واشاعت تھا۔مولانا سید سلیمان ندویؒ کا درج ذیل اقتباس بھی اسی احساس کا غماز ہے:

''پرچے میں علوم اسلامیہ کی تجدید، عقل ونقل کی تطبیق، معقول ومنقول اور قدیم وجدید کے موازنہ اور عربی نصاب تعلیم کی اصلاح پر بہت سے محققانہ مضمون شائع ہوئے جو زیادہ تر مولانا شبلی مرحوم کے قلم سے نکلے تھے۔اس رسالہ نے شاید سینکڑوں برس کے بعد علماء کی سطح جامد میں حرکت پیدا کی تھی۔اب تک علماء کے تحقیقاتی مسائل، منطق، عقائد اور فقہ کے چند ایسے مسائل قرار پائے ہوئے تھے جن پر گو بہت کچھ لکھا جاچکا تھا۔پھر بھی جو آتا تھا وہ انہیں کو دہرا کر اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کرتا تھا۔منطق اور فلسفہ کی بعض درسی کتابوں کی شرحیں لکھنا، غیر مفید مناظرانہ رسائل تالیف کرنا، یہ علماء کے مشاغل تھے۔حالانکہ زمانہ کا رخ اِدھر سے اُدھر ہو چکا تھا اور حالات نے اسلام اور علوم اسلامیہ کی خدمت کے کچھ اور ہی ضروریات وعلل پیدا کردیے تھے۔الندوہ کا بڑا فیض یہ ہے کہ اس نے علمائے کرام کے خیالات میں انقلاب برپا کردیا تھا۔اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ علماء کے سامنے جدید مباحث کے دروازے کھلے۔اسلام اور علوم اسلامیہ کی خدمت کے نئے طریقے ان کو نظر آئے''۔(۱)

اسلام اور علوم عربیہ کے تعلق سے سرد مہری اور عام جمود کی جو فضا استوار ہو چکی تھی بلاشبہ اس رسالہ کی بدولت اس کا زور ختم ہوا اور علوم اسلامیہ اور عربی تاریخ سے استفادہ کے نئے طور و طریقے اس رسالہ نے قوم کے سامنے پیش کیے جس سے ہندوستانی ملت اسلامیہ کا علمی مزاج بدلا۔ اسلامی علوم وفنون اور اسلاف عرب کے شاندار علمی، ثقافتی اور سائنسی کارناموں سے واقفیت کے

لیے اس رسالہ نے قوم کو نئی منزلوں کی تلاش پر اکسایا اور نتیجتاً ایک قابل قدر لٹریچر فراہم ہوا۔اس طرح اس بلند پایہ رسالہ نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔

الندوہ کا دستور العمل: کسی علمی ادارہ یا رسالہ کے منصوبوں اور عزائم سے باخبر ہونے کے لیے اس کے دستور العمل پر بھی نگاہ ڈالنا ضروری ہوتا ہے۔اس کے بغیر اس کے سمت سفر کو صحیح طور پر نہیں سمجھا جاسکتا۔اس سلسلہ میں جب اس رسالہ پر نظر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ عربی علوم وفنون کی اشاعت، عربی شخصیات کے علمی کارناموں کا تعارف اور عربی کی نادرالوجود کتابوں پر تبصرہ وتنقید لکھنا اس کے دستور میں شامل تھا۔الندوہ کے آخری ٹائٹل صفحے کی درج ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

> ''یہ رسالہ عربی مہینے کے پہلے ہفتہ میں شائع کیا جائے گا۔اس کا مقصد علوم اسلامیہ کا احیاء اور علوم قدیمہ وجدیدہ کا موازنہ ہے۔اس کے ساتھ حسب ذیل مضامین ہوں گے:
>
> ۱-عربی زبان کی نادرالوجود کتابوں پر تقریظ۔
>
> ۲-ممالک اسلامیہ میں جو کتابیں لکھی جارہی ہیں ان پر تقریظ۔
>
> ۳-اکابر سلف کی سوانح عمریاں جس میں زیادہ تر ان کے اجتہادات سے بحث ہوگی۔
>
> ۴-علمی خبریں (بالخصوص وہ خبریں جو عربوں کے علمی کمالات پر مشتمل ہوں)۔
>
> ۵-نصاب تعلیم پر بحث (خاص طور پر مصر وشام، ترکی میں اس ضمن میں کیا کچھ ہورہا ہے)''۔

اس دستور العمل سے یہ پتہ چلانا مشکل نہیں ہے کہ عربی اور اسلامی علوم کا احیاء اور عربی کی نادر وکمیاب کتابوں پر تبصرہ اور عالم عرب کے سلف صالحین یعنی انبیاء ورسل، صحابہ، تابعین وتبع تابعین، محدثین، فقہاء، ادباء وشعراء اور متکلمین وفلاسفہ کے فکری اجتہادات اور ان کے سوانح سے بحث وتعرض جس رسالہ کے دستور العمل میں داخل ہو تو تاریخ عرب کے ماخذ کی حیثیت سے اس کا جائزہ لینے میں کوئی ہرج نہ ہوگا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سیرۃ النبیؐ اور شعر العرب کی تاریخ مرتب کرنے کی تجویز

پہلی بار قوم کے سامنے ''الندوہ'' کے صفحات کے ذریعہ آئی، اس کے علاوہ الندوہ علمی افق پر دو بار طلوع ہوا۔ پہلی بار اپنی عمر کی بارہ بہاریں دیکھیں اور دوسری بار ۱۹۴۰ء میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا عبدالسلام قدوائیؒ کے زیر ادارت منصۂ شہود پر آیا تاہم کچھ عرصہ کے بعد پھر صفحۂ ہستی سے غایب ہوگیا۔ اپنی اشاعت کے پہلے سال ہی سے یہ رسالہ متعدد پریشانیوں کا شکار رہا جس کا تذکرہ بخوف طوالت قلم انداز کیا جاتا ہے تاہم اس مدت میں اس نے علم و ادب خاص طور پر عربی علوم و فنون و ادب پر جو گراں قدر تحقیقی مضامین شائع کیے۔ سطور ذیل میں اس کی ایک جھلک قارئین کے سامنے پیش کی جاتی ہے، مگر اس سے قبل یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ ہمارے پیش نظر جائزہ میں الندوہ کی وہی فائلیں ہیں جو شبلی اکیڈمی میں موجود ہیں۔

اس رسالہ کے محتویات و مشمولات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے عربوں کی علمی، تہذیبی، سائنسی اور تعلیمی تاریخ کی نشر و اشاعت میں اہم رول ادا کیا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ عربوں کی علمی اور تمدنی تاریخ سے اہل اردو کو مرتب و مدون انداز میں متعارف کرانے کا سلسلہ الندوہ نے شروع کیا تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اس میں عرب مصنّفین، ادباء و شعراء کے حالات و سوانح اور تصنیفی کارناموں کا ذکر بھی ہے اور جدید عرب علماء اور دانش وروں کے تعلیمی و علمی افکار و نظریات کا تذکرہ بھی۔ عربی زبان و ادب اور علوم اسلامیہ، قرآن و حدیث اور فقہ و فلسفہ پر تحقیقی مواد بھی ہے اور علم فیلالوجی، علم ہیئت، طب، طبقات الارض، علم الاقتصاد اور علم جغرافیہ سے متعلق عربوں کی دلچسپی و شغف کا تذکرہ بھی۔ اعجاز القرآن، علوم القرآن، مکررات القرآن اور اسماء القرآن کے عنوان سے محققانہ مقالات بھی ہیں اور جدید مسئلہ ارتقاء اور قرآن مجید کے عنوان سے قرآنی ہدایات و تعلیمات کی وضاحت بھی۔ حضرت خضر، ابنائے یعقوب اور جاہلی دور کے مشہور ترین شعراء متنبّی اور ابوتمام وغیرہ کے حالات و کمالات کا جائزہ بھی ہے اور امام بخاری، امام مسلم، ابن تیمیہ، ابن رشد، ابن خلدون، ابن خلکان، ابن مقلہ اور ابوالاسود دوئلی وغیرہ جیسی صاحب کمالات اور اہم عربی شخصیات کے علمی، ادبی اور دینی کارناموں اور فلسفیانہ نکتہ آفرینیوں سے بحث بھی۔ اس کے علاوہ علمائے سلف میں کتب بینی کے شوق، عباسی خلیفہ منصور اور اس کے قاضیوں کی منصفانہ کارروائیوں، عربوں میں پردہ کے رواج، صحف انبیاء میں سود کی حقیقت، قدیم عربی

سلطنتوں، دور جاہلیت کے علوم وفنون، عرب کے قدرتی حصوں اور مشہور زمانہ قبائل اوس وخزرج وغیرہ جیسے خالص مورخانہ موضوعات پر نہایت اعلیٰ پایہ کے تحقیقی مقالات نے الندوہ کو بلاشبہ تاریخ عرب کے ایک ہندوستانی ماخذ کا درجہ عطا کر دیا۔

مذکورہ بالا مضامین کی اس مختصر فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ الندوہ میں عربوں کی علمی، فکری، معاشرتی، ادبی، سائنسی، سیاسی اور تمدنی تاریخ کا شاید ہی کوئی موضوع ہو جو رہ گیا ہو۔ سطور ذیل میں مطبوعہ مقالات کا مجملاً جائزہ لیا جائے گا کہ الندوہ نے عربی تاریخ کے تعلق سے کس پایہ کے مضامین سے اپنے صفحات مزین کیے تھے اور اردو رسالوں میں اس کی اہمیت اور قدر وقیمت اور انفرادیت کیوں کر تھی۔ سب سے پہلے سیرۃ النبیؐ مرتب کرنے کی تجویز کا ذکر۔

سیرۃ النبیؐ مرتب کرنے کی تجویز: حضور رسالت مآب ﷺ کی جائے پیدائش ہونے کی عزت اور فخر سرزمین عرب کو ہی حاصل ہے۔ بلاشبہ دنیا کا کوئی علاقہ، کوئی خطہ عربوں کے اس اعزاز وسعادت اور ان کے اس امتیاز میں شرکت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ آفتاب اسلام نے وہیں سے طلوع ہو کر دنیا کے چپہ چپہ کو روشن کیا تاہم ذات گرامیؐ کے مستند سوانح حیات سے اردو زبان محروم تھی۔ علامہ شبلی نے پہلی بار قوم کے سامنے آنحضور ﷺ کی سوانح عمری مرتب کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس اہم دینی خدمت کی ضرورت واہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''سیرت نبوی کی ضرورت اس لحاظ سے اور بڑھ جاتی ہے کہ قوم میں جدید تعلیم، وسعت سے پھیلتی جارہی ہے اور یہی جدید تعلیم یافتہ گروہ ایک دن قوم کی قسمت کا مالک ہوگا۔ یہ گروہ آنحضرت ﷺ کے حالات زندگی اگر جاننا چاہتا ہے تو اردو میں کوئی مستند کتاب نہیں ملتی۔ اس لیے اس کو چار ونا چار انگریزی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جن میں تعصب کی رنگ آمیزیاں ہیں یا ناواقفیت کی وجہ سے ہر موقع پر غلطیاں ہیں۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ سیرت نبوی کی ضرورت، پہلے صرف تاریخی حیثیت سے تھی لیکن اب عقائد کی حیثیت سے بھی ہے۔ یورپ جو اسلام پر نکتہ چینی کرتا ہے زیادہ تر اس بنا پر کرتا ہے کہ بانی اسلام کے عادات واخلاق وتاریخ زندگی ایسی نہیں کہ ان کو خدا کا بھیجا ہوا معصوم

پیغمبر کہا جاسکے‘‘۔(۲)

علامہ شبلی نعمانی نے محمد عربی ﷺ کی مفصل اور مستند سوانح عمری مرتب کرنے کی تجویز کیوں پیش کی اور اس کے پیچھے اصل مقاصد کیا تھے، اس کا خاکہ سب سے پہلے الندوہ ہی میں ملتا ہے۔خدا کا شکر ہے اس تجویز کو عملی شکل ملی اور سیرۃ النبی کے نام سے ایسی شمع روشن ہوئی جس سے اکتساب نور کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔اس سیرت کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و عادات سے متعلق انگریزوں نے جو غلط فہمیاں پھیلائی تھیں ان کی مدلل تردید کی گئی اور ان الزامات واعتراضات کی حقیقت سامنے آئی جو نہایت مکر و فریب کے ساتھ وضع کیے گئے تھے۔

عربوں کا تمدن: الندوہ کے دوسرے شمارے میں دو مضامین ’’اسلام اور تمدن و ترقی‘‘ اور ’’فلسفۂ یونان اور اسلام‘‘ کے عنوان سے ہیں۔دونوں ہی مخالفین اسلام کے بے بنیاد الزامات کے جواب میں ہیں۔جیسے یہ الزام کہ اسلام صرف وحشی قوموں کو ایک حد تک شائستہ بنا سکتا ہے۔اعلا درجہ کا تمدن ان میں نشو و نما نہیں پاسکتا ہے اس کی مدلل تردید کی گئی ہے۔اس اعتراض کا جواب دینے کے لیے پہلے فلسفۂ تمدن پر بحث کی گئی ہے۔اس کے بعد تمدن کے اہم ترین اصولوں کی دریافت کر کے یہ دکھلایا گیا ہے کہ اسلام نے ان اصولوں کی صرف تبلیغ نہیں کی بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھایا جس کے نتیجہ میں جاہل عربوں کو متمدن زندگی کا عادی بنایا۔ان اصولوں میں تمدن کی ترقی کا سب سے اہم اصول ’’مساوات‘‘ یعنی تمام انسانوں کے حقوق بحیثیت انسان برابر ہیں پر عمل پیرا ہونے کے ثبوت بہم پہنچائے گئے ہیں اور لکھا گیا ہے کہ اسلام سے قبل یہ خیال کسی قوم اور کسی ملک میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔بڑی سے بڑی اور مہذب سے مہذب قوموں کا یہ طرز عمل تھا کہ مجرموں کو ان کے مرتبے اور درجے کے لحاظ سے سزا دی جاتی تھی۔خود عرب قبائل کے مدارج متعین تھے، جو قبیلہ زیادہ شریف اور معزز تھا۔اس کا ایک آدمی دوسرے قبائل کے متعدد آدمیوں کے برابر مانا جاتا تھا یعنی معزز قبیلہ کے ایک آدمی کے خون کے معاوضہ میں آقا قتل نہیں کیا جاسکتا تھا۔اسلام نے اصول مساوات کی بنا پر یہ تفرقے بالکل مٹا دیے۔اسی اصول کے تحت قبیلہ قریش کے سردار جنگ بدر میں حبش اور ایران کے زرخرید غلاموں کے برابر کر دیے گئے۔ابوسفیان

کو حضرت بلالؓ و حضرت صہیبؓ کا ہم رتبہ ہو کر رہنا پڑا۔ جبلہ بن الایہم عرب کا مشہور سردار تھا۔ چاہا کہ عام آدمی کے مقابلہ میں اس کو زیادہ عزت و مراعات حاصل ہوں لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی یہ ضد تسلیم نہیں کی اور وہ اسلام سے پھر کر عیسائی بن گیا۔ (۳) یہ اور اس قسم کے ہزاروں واقعات ہیں جن سے اصول مساوات پر مکمل عمل آوری کے شواہد تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے تمدن و ترقی کا سب سے بنیادی اصول اپنایا اور عرب قوموں کو تہذیب و تمدن کے اعلیٰ منصب پر فائز کیا۔ اس مضمون میں عربوں کا تمدن کے اصولوں پر مکمل عمل پیرا ہونا بدلائل ثابت کیا گیا ہے اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

مسلمان عربوں کا فلسفہ پر اضافہ: دوسرے مضمون ''فلسفۂ یونان اور اسلام'' میں مستشرقین یورپ کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ مسلم عربوں نے اپنے دور میں فلسفہ و سائنس پر کچھ اضافہ نہیں کیا محض ارسطو کی کورانہ تقلید کی۔ اس میں بدلائل ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں فلسفہ، حکومت اور سلطنت کی راہ سے آیا یعنی خلفائے عباسیہ نے اپنے شوق سے یونانی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ ان کو پڑھ کر خود مسلمانوں نے بھی فلسفہ و سائنس میں تصنیفات و تالیفات شروع کیں، امام غزالی نے فلسفہ کو نصاب تعلیم میں شامل کیا اور اس وقت سے یہ فن عام طور پر رواج پا گیا۔ مسلمانوں نے بہت سے فلسفیانہ مسائل میں نہ صرف ارسطو کی غلطی ثابت کی بلکہ اس کی اصلاح بھی کی۔ ابوعلی جبائی نے ارسطو کی کتاب ''کون وفساد'' کا رد لکھا۔ ابوالبرکات، شیخ الاشراق اور امام رازی وغیرہ کی فلسفیانہ خدمات کا جائزہ لے کر بتایا گیا ہے کہ مسلمان عربوں نے فلسفہ و سائنس پر نہ صرف یہ کہ اضافہ کیا بلکہ ارسطو وغیرہ کے بعض فلسفیانہ مسائل کی اصلاح کا فریضہ بھی انجام دیا۔ (۴) ایسے میں اس بے بنیاد اعتراض کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔

ابن رشد کی جلاوطنی کا اصل سبب: شیخ الاشراق اور ابن رشد پر آج بھی اہل اسلام کو ناز ہے لیکن دونوں کی تباہی و بربادی کی المناک داستان تاریخ کے صفحات میں بھری پڑی ہے۔ مورخین نے ابن رشد کی جلاوطنی کے مختلف اسباب بتائے ہیں۔ اکثر نے اس کی وجہ خلیفہ منصور کی توہین کو بتایا ہے کہ وہ سر دربار خلیفۂ وقت کی شان میں گستاخیاں کرتا تھا۔ اس لیے منصور نے اس کو جلاوطن کر دیا تھا لیکن علامہ شبلی نے ان تمام واقعات کا محققانہ جائزہ لے کر یہ ثابت کیا ہے کہ

اصل سبب وہ نہیں جو عام مورخین بیان کرتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فلسفہ کا رنگ اس پر اس قدر غالب تھا کہ بعض اوقات بے اختیار اس کی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے جو عام عقائد کے خلاف ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر اس کا یہ خیال کہ قوم عاد کا وجود ہی ثابت نہیں جب کہ قرآن مجید میں اس کا وجود اور اس کی بربادی کا ذکر ہے۔ یہ اور دیگر فلسفیانہ موشگافیاں اصلاً اس کی جلاوطنی کا سبب بنیں۔(۵)

عربی زبان کی مختصر تاریخ: مشہور عیسائی مورخ جرجی زیدان نے ''الہلال'' میں ایک مضمون مذکورہ بالا عنوان سے شائع کیا تو اس دلچسپ اور انوکھے موضوع کی اہمیت و افادیت کو محسوس کرتے ہوئے الندوہ نے اس کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ اس مضمون میں کہا گیا ہے کہ عربی زبان نے عربوں کے انقلابات کی وجہ سے بڑے بڑے پلٹے کھائے اور عصر حاضر میں ایک نئے لباس میں جلوہ گر ہے جس کا اگر زمانۂ جاہلیت کی عربی سے مقابلہ کیا جائے تو وہ ایک نئی زبان معلوم ہوگی۔ یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ چونکہ عربوں میں تالیف و تصنیف کا سلسلہ قبل اسلام نہ تھا۔ اس لیے عربی زبان کی پیدائش کا پتہ نہیں چلتا اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کس زبان سے نکلی ہے لیکن خیال ہے کہ یہ زبان سامی یا آرامی سے پیدا ہوئی ہے جس کی تین شاخیں کلدانی، عبرانی اور نبطی بھی ہیں۔ عربی زبان کے اسماء، افعال اور حروف و اشتقاقات اس وقت مدون ہو چکے تھے۔ جب وہ آغوش مادر (سامی) میں تھی اور اس کے باقی اسماء اور حروف اور اشتقاقات اس سے پہلے کہ اس زبان والے پھیلیں یا فینیقیہ اور جزیرہ عرب اور مابین النہرین میں آ کر بسیں مرتب ہو چکے تھے۔(۶)

اس ترجمہ سے قبل علامہ شبلی نعمانی کا ''عربی زبان'' کے عنوان سے نہایت جامع مضمون الندوہ کی جلد ۱، شمارہ ۱ میں چھپ چکا تھا جس میں سریانی، عبرانی اور عربی زبانوں میں سب سے قدیم عربی زبان کو ثابت کیا ہے۔ مولانا نے اس کے متعدد دلائل دیے اور ایک مستحکم دلیل اس کے قدیم ہونے کی یہ دی کہ عبرانی زبان کی سب سے قدیم کتاب ''سفر ایوب'' تسلیم کی جاتی ہے۔ اس میں کثرت سے عربی الفاظ موجود ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عبرانی سے پہلے عربی زبان موجود تھی۔

عربوں کی شاعری سے دلچسپی: عربوں کی شعری اور ادبی تاریخ سے دلچسپی کا ایک مظہر الندوہ میں شائع اس وقت کے ایک طالب علم عبدالرحمٰن نگرامی کا مقالہ ہے جو گو مختصر ہے مگر

عربوں کی شاعری کے تعلق سے تاریخی معلومات فراہم کرتا ہے۔ اس مضمون میں مقالہ نگار نے مورخ ابو داؤد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر تمام ملک عرب کی چھان بین کر ڈالی جائے تو بہت مشکل سے کوئی ایسا شخص ملے گا جو مذاق شاعری سے محروم ہو اور اس کو تھوڑا بہت سلیقہ نہ آتا ہو۔ سبھی اس دریائے لطیف کے غوطہ زن تھے۔ شاعری ان کے لیے ایک طبعی اور فطری بات اور ان کے ضمیر میں داخل تھی۔ عرب کل کے کل اشعار فی البدیہ کہا کرتے تھے۔ فن بلاغت و عروض و قافیہ کے محتاج نہیں تھے۔ اس فن پر مشتمل کتابیں جو آج متداول ہیں یہ انہیں بدوی اور جاہل عربوں کے فصیح و بلیغ اشعار سے ماخوذ ہیں لیکن قرآن کی فصاحت و بلاغت جب عربوں کے سامنے آئی تو آہستہ آہستہ ان کی فصاحت و طلاقت لسانی کا سارا زعم پادر ہوا ہو گیا اور ان کا شاعرانہ ذوق اور قدرتی ذکاوت ختم ہو گئی تو عربوں کو اس حس لطیف کے بقا کی فکر ہوئی اور انہوں نے قدیم عربوں کے کلام سے چند اصول منتخب کیے اور ان کا نام علم العروض والقافیہ رکھا اور اب ان کی شاعری کا معیار ان اصولوں کے دائرہ میں محدود شاعری قرار پایا۔ (۷)

مقالہ نگار نے جاہلی اور اسلامی عہد کے شعراء کو چار طبقوں میں منقسم کیا ہے۔ طبقۂ اولیٰ میں وہ شعراء ہیں جو یا تو قبل از اسلام گزرے یا عہد اسلام میں تھے لیکن اسلام کے مخالف رہے اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لائے جیسے امرؤ القیس، امیہ بن الصلت۔ دوسرے طبقہ میں مخضرمین ہیں جنہوں نے اسلام اور دور جاہلیت دونوں کا زمانہ پایا اور نور اسلام سے خود کو منور کیا جیسے حسان بن ثابت، کعب بن زہیر وغیرہ۔ تیسرے میں مولودین مثلاً فرزدق اور جریر وغیرہ اور چوتھے میں ابن رومی اور ابو العلا معری۔ (۸)

اس مقالہ میں عربوں کی شاعری پر مختصر مگر جامع مواد موجود ہے۔ حیرت ہے کہ عربوں کی شاعری سے متعلق یہ محققانہ خیالات اس زمانے کے ایک نوخیز طالب علم کے نوک قلم سے نکلے ہیں، اس سے اس زمانہ میں ندوۃ العلماء کی تعلیمی بلندی اور طالب علموں کی تحقیقی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

قدیم عربی سلطنتیں: یہ مقالہ عربوں کی قدیم سلطنتوں کے متعلق اہم تاریخی معلومات پر مبنی ہے۔ اس میں اہل عرب کے اس دعویٰ کو کہ دنیا میں تمدن اور حکومت کی ابتداء عرب سے ہوئی اور عربی حکومت کا ابتدائی مرکز قبل اسلام یمن تھا اور سلاطین یمن نے دنیا کے مختلف ممالک فتح کیے

اور متعدد قوموں کو باج گزار بنایا، قدیم عربی امہات کتب کے حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے۔ مصر، ایران اور ہندوستان نیز غیر عربی علاقوں پر عربوں کی حکمرانی کی داستان بھی تحریر کی گئی ہے۔ ہندوستان اور عرب کے قدیم تعلقات کے متعلق لکھا گیا ہے کہ یہ ملک اہل عرب کو اتنا پیارا تھا کہ اس کے نام (ہند) کو انھوں نے عشق و عاشقی کا موضوع قرار دے رکھا تھا۔ وہ ہندوستان کے ایک خاص حصے کی آبادی کو عربی النسل کہا کرتے تھے اور ہندوستان کی بعض اقوام کو اپنی نسل کا خیال کرتے تھے لیکن یہ خیال خود مقالہ نگار کے نزدیک پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر آثار قدیمہ سے اس قسم کا ثبوت ملتا ہے تو یہ خیال معتبر و مستند سمجھا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ البتہ انہوں نے غیر تاریخی زمانہ میں سندھ و گجرات میں عربی حکومتوں کی موجودگی اور قیام کو تسلیم کیا ہے۔ جس کے متعدد شواہد مسٹر ایلیٹ نے اپنی انگریزی تصنیف ''تاریخ سندھ'' میں پیش کیے ہیں اور یہ بھی کہ ہندوستان کی قدیم علمی زبان میں جو ٹھیٹ آرین زبان تھی عربی کے آثار ملتے ہیں۔ (۹)

عرب قدیم: عرب قدیم سے اہل یورپ کو خصوصی دلچسپی ہے۔ چنانچہ جب یمن و حضر موت کے آثار و باقیات دریافت کیے گئے تو اس کی مفصل تحقیق ''مہد الجنس الاسلامی'' نامی کتاب میں شائع ہوئی جس کا خلاصہ قارئین الندوہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ عرب قدیم سے متعلق یہ بڑا معلوماتی مضمون ہے۔ آغاز میں تحریر ہے:

> ''شام و عراق میں بکثرت ایسے شہر موجود ہیں جو قبل اسلام کی قدیم عربی سلطنتوں کی یادگار ہیں۔ صیدا، صور، عکا، حیفا، یافہ، غزہ، عسقلان، بیروت، جبیل، ارواد، حمص، دمشق۔ یہ سب ایسے مقامات ہیں جن میں مختلف عربی سلطنتیں اور حکومتیں قائم تھیں اور جن کے مٹے ہوئے آثار اب بھی ان کی عظمت و جلالت کا افسانہ سنا رہے ہیں۔ یہ سلسلہ شام سے دجلہ و فرات تک مسلسل تھا۔ ان دونوں مقدس دریاؤں کے سواحل بابل اور اشور کی مشہور سلطنتیں عہد قدیم کے تمدن کا پھریرا اڑا رہی تھیں اور اس سرے سے اس سرے تک سامی (سامیٹک) عنصر اور سامی زبان کا ان تمام مقامات میں سکہ رائج تھا......
>
> جن بزرگوں نے یورپ اور افریقہ کو اس زمانہ میں تجارت و صنعت و مذہب و علم سے آشنا کیا وہ انہیں سواحل صیدا و صور کے باشندے تھے اور وہی پاک سامی خون ان کی رگوں

میں موج زن تھا، جس نے بعد میں اولوالعزم پیغمبروں سے زمانہ کا تعارف کرایا''۔(۱۰)

عربی اور فارسی شاعری کا موازنہ: الندوہ اپریل ۱۹۰۸ء میں ایک دلچسپ اور اس زمانہ کے لحاظ سے انوکھا مضمون شائع ہوا۔اس میں عربی اور فارسی شاعری کا باہم موازنہ کرکے یہ پتے کی بات بھی تحریر کی گئی ہے کہ ایرانی شاعری اگر چہ بالکل عرب کا پرتو ہے لیکن دونوں ملکوں کے تمدن، معاشرت اور مقامی حالات میں اس قدر فرق واختلاف ہے کہ ہر طرح کے تعلقات کے ساتھ بھی دونوں شاعروں میں زمین آسمان کا بعد پیدا ہوگیا ہے۔عرب کا تمدن یہ تھا کہ بڑے بڑے جتھے پہاڑوں اور میدانوں میں رہتے تھے۔کسی بادشاہ یا فرماں روا کے محکوم نہیں ہوتے تھے۔آزادی اور خودسری کے خیالات ساتھ لے کر پیدا ہوتے تھے اور ساتھ لے کر جاتے تھے۔طبیعت جنگ جو اور شوریدہ تھی۔اس لیے آپس میں لڑتے بھڑتے تھے اور ذرا ذراسی بات پر قبیلے کے قبیلے فنا ہوجاتے تھے۔فصاحت و بلاغت کا ملکہ فطری تھا، اس لیے جو حالت پیش آتی اور جو خیالات پیدا ہوتے ان کو اسی اصلیت اور جوش وخروش کے ساتھ ادا کردیتے تھے۔اسی وجہ سے عربوں کے اشعار میں شجاعت ،جاں بازی، مخاطرۂ نفس اور اندھا دھند دلیری کے جو خیالات پائے جاتے ہیں۔فارس بلکہ دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہیں ہوسکتے۔(۱۱)

فرقۂ شعوبیہ: فرقۂ شعوبیہ عہد عباسی کی یادگار ہے۔اس کے متعلق اردو زبان میں پہلی بار الندوہ میں مضمون شائع ہوا۔سطور ذیل میں اس فرقہ کے وجود ونظریات کا مجملاً جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

ہر قوم اور ہر ملک میں تہذیب کی وسعت اور ترقی کے ساتھ ساتھ گوناگوں خیالات اور متعدد مذاہب اور فرقے پیدا ہوجاتے ہیں۔اسلام سے پہلے عربوں کے خیالات کی سطح سادہ، ہموار اور غیر متحرک تھی لیکن آفتاب اسلام کے طلوع کے بعد جب عربوں میں تہذیب وتمدن کی شعاعیں پھوٹیں تو وہاں بھی دماغی حرکت شروع ہوئی اور تمدن کے نتائج کے ساتھ متعدد فرقے اور مذاہب اس سرزمین میں بھی وجود پذیر ہوئے اور جوں جوں اس کا دائرۂ سلطنت وتمدن وسیع ہوا، فرقوں اور مذہبوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔چنانچہ اہل عجم کے اختلاط سے فرقۂ شعوبیہ پیدا ہوا جو خود اہل عرب کا دشمن تھا اور ان کے تمام عیوب کی پردہ دری کرتا تھا۔اس کے وجود کے اسباب کا جائزہ تو بہت سے مورخین نے لیا ہے۔الندوہ کے مقالہ نگار کا خیال ہے کہ وہ سیاسی ہنگامہ آرائی کے نتیجہ میں وجود میں آیا

ہوگا۔حکومت عباسیہ کے لیے اس بدعقیدہ اور عرب مخالف فرقہ کو ختم کرنا مشکل نہ تھا تاہم چونکہ عباسی خلفاء کے یہاں اظہار خیال کی عام آزادی تھی۔اس لیے اس فرقہ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس گروہ میں بڑے بڑے اہل قلم واہل فن پیدا ہوئے۔چنانچہ علان شعوبی اور ابوعبیدہ شعوبی اس فرقہ کے اہم نام ہیں۔علان انساب واشعار عرب کا ماہر تھا جس نے خاص عرب کے مثالب میں کتاب المیدان نام سے کتاب لکھی۔اس کے علاوہ اس نے عربوں کے مشہور قبائل کے معائب میں بھی ایک کتاب لکھی۔ابوعبیدہ یہودی النسل تھا مگر اشعار عرب کا اس قدر ماہر تھا کہ اصمعی جیسا شخص اس کی صحبت میں بیٹھتا تھا، فہرست ابن ندیم میں اس کی تصنیفات کی تعداد سو سے زائد بتائی گئی ہے۔اس نے ایک کتاب آل رسول کے معائب پر بھی لکھی۔علان شعوبی، ہارون رشید، مامون رشید اور برامکہ کے بیت الحکمہ میں نقل وکتابت کے عہدہ پر مامور تھا۔علوم قرآنی میں بھی اس کو درک تھا اور علمائے اسلام نے حددرجہ بے تعصبی کی بنا پر اس کے اقوال استدلالاً پیش کیے ہیں۔

اس فرقہ کے خیالات ونظریات بالکل اسلام مخالف تھے۔اسلام کے نزدیک عرب وعجم میں کسی کو کسی پر فضیلت دینا صحیح نہیں ہے لیکن فرقہ شعوبیہ کے نزدیک اصلی فضیلت وسیادت کے مستحق اہل عجم ہیں۔اس کے متعدد دلائل بھی دیے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ دین ودنیا دونوں حیثیتوں سے اہل عجم کو عربوں پر فضیلت وتقدم حاصل ہے۔چنانچہ نبوت کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوتا ہے اور وہ عجمی تھے۔حضرت آدمؑ کے علاوہ اکثر انبیاء مثلاً حضرت موسیٰؑ، عیسیٰؑ، یعقوبؑ، اسحاقؑ، نوحؑ کو عجم ہی سے وطنی نسبت حاصل ہے۔ان تمام مشہور زمانہ انبیاء میں صرف ہودؑ، صالحؑ، اسماعیلؑ اور حضرت محمدؐ کو چھوڑ کر باقی سب عجمی ہیں۔اس بنا پر کثرت اور قدامت دونوں لحاظ سے اہل عجم کو اہل عرب پر فضیلت اور تقدم حاصل ہے لیکن اہل اسلام نے اس فرقہ کی بدعقیدگیوں اور ہفوات کا جواب نہایت سنجیدگی سے یہ دیا ہے کہ حضرت آدمؑ کو عربی یا عجمی کہنا درست نہیں۔ان کو عرب وعجم دونوں سے یکساں تعلق ہے۔عجم وعرب کی تفریق ان کے بعد پیدا ہوئی۔اکثر انبیاء بے شبہ عجمی تھے لیکن ان میں باہم بے تعلقی نہیں تھی۔بنواسرائیل اور اہل عرب کا سلسلۂ نسب حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ سے ملتا ہے اور یہ دونوں پیغمبر بھائی تھے۔اس بنا پر ان کے باہمی تعلق کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔اس کے علاوہ بھی علمائے اسلام نے فرقہ شعوبیہ کے ان مفسدانہ خیالات کی ہوا اکھاڑ دی جن کی تفصیل مضمون میں موجود ہے۔(۱۲)

عرب عورتوں کے شجاعانہ کارنامے: نپولین بوناپارٹ نے پرتگال کی مہم سر کرنے کے بعد جب اسپین کا رخ کیا تو اسپین نے جنگی طاقت کے علاوہ قومی جوش وخروش سے بھی اس فتنہ کو دبانا چاہا، جس کے نتیجہ میں ہر شخص نے بلاتفریق مردوزن اپنے ملک پر قربان ہونے کے لیے کمر کس لی۔ یہاں تک کہ نپولین کے مقابلہ میں عورتوں نے بھی زور آزمائی کی۔ ان عورتوں میں اگسٹینا نامی خاتون کے بہادرانہ کارنامہ کو یورپ میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس کی یورپی معاشرہ میں بڑی قدر افزائی کی جاتی ہے۔ یورپ میں تو اس قسم کے اکا دکا واقعات ہی ملتے ہیں لیکن عربوں کی قومی تاریخ میں اس قسم کے بیسیوں واقعات ملتے ہیں۔ عرب عورتوں کے بہادرانہ کارناموں کا استقصا بڑی تفصیل سے اردو زبان میں الندوہ میں پہلی بار نظر آتا ہے، اس تحقیقی مضمون میں مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ معرکہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ شریک رہتی تھیں۔ عورتوں اور بچوں کی جماعت مردوں کی صف جنگ سے پیچھے رہتی تھی، مجروح سپاہیوں کی تیمارداری، گھوڑوں کی خدمت، اپنے بہادر شوہروں کو آرام پہنچانے، اسلاف کے کارناموں کو یاد دلا کر جوش پیدا کرنے، غنیم کے مقتول سپاہیوں کے ہتھیار کھولنے اور مخالف فوجوں کو گرفتار کرنے کے فرائض ان ہی نازک انداموں کے ہاتھوں انجام پاتے تھے۔ عرب کے مشہور شاعر عمرو ابن کلثوم کے کلام کے حوالہ سے اس دعویٰ کو ثابت کیا گیا ہے۔ اسلام میں بھی یہ دستور قائم رہا اور امہات کتب سے حضرت عائشہ، ام کبشہ اور ام سلیم وغیرہ کی جنگوں میں خدمات نقل کر کے بتایا گیا ہے کہ عربوں کی قومی اور جنگی تاریخ کے ضمن میں اگر عرب عورتوں کے بہادرانہ کارناموں کا ذکر نہ کیا جائے تو عربوں کی قومی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی ہے۔ (۱۳)

اندھوں کی تعلیم کا طریقہ عربوں نے ایجاد کیا: اہل یورپ ہر ایجاد کا سہرا اپنے نام کرنے کے عادی ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی ان کی اس فریب دہی کا شکار ہے، مثلاً اہل یورپ کا کہنا ہے کہ اندھوں کے موجودہ طریقۂ تعلیم کا موجد یورپ کا والنٹین ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط اور عربوں کی تعلیمی تاریخ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اس خیال کی محققانہ تردید سب سے پہلے اردو زبان میں الندوہ میں کی گئی ہے، جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ اندھوں کے طریقۂ تعلیم کے اصل موجد عراق کے ایک مسلمان عالم زین الدین آمدی (۱۳۱۲ء) ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مسلمان عربوں نے باقاعدہ

اس موضوع پر کتابیں لکھی تھیں۔ چنانچہ احمد زکی بک نے ''نکت الہمیان فی نکت العمیان'' مصنفہ صفدی کا انکشاف بھی اپنی کتاب میں کیا جس میں مصنف نے اندھوں کے طریقۂ تعلیم کی تشریح و وضاحت کی ہے۔ (۱۴)

فن بلاغت کے اصل موجد عرب ہیں: علامہ شبلی نے ایک مضمون ''فن بلاغت'' کے عنوان سے الندوہ میں شائع کیا جس میں یہ تحقیق مدلل انداز میں پیش کی ہے کہ اس فن کے اصل موجد عرب ہیں۔ ارسطو کی کتاب ''ریطوریقا'' جس کو عام اہل علم فن بلاغت کی کتاب سمجھ کر اس فن کا اصل موجد ارسطو کو سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کتاب میں ارسطو نے قواعد خطابت تحریر کیے ہیں۔ مولانا نے اس خیال کی تغلیط کی ہے اور بلاغت کے موضوع پر لکھی جانے والی پہلی کتاب عبدالقاہر جرجانی کی تصنیف ''دلائل الاعجاز'' کو قرار دیا ہے۔ (۱۵)

اسی طرح رصد خانوں کی تعمیر اور نظریہ ارتقا کے اصل موجد و منکشف مسلمان عرب ہیں، جس کے ایجاد و انکشاف کو اہل یورپ اپنا کارنامہ بتاتے ہیں۔ الندوہ میں پہلی بار یورپ کی پھیلائی ہوئی ان غلط فہمیوں کی پرزور تردید کی گئی ہے، جس کا مقصد یقیناً اس تاج عزت کو یورپ سے چھین کر اس کے اصل مستحق عربوں کے سر پر رکھنا تھا۔ (۱۶)

ان چند تحقیقی مضامین کے علاوہ الندوہ کا نہایت دلچسپ اور قابل ذکر حصہ وہ ہے جو الموید اور الہلال وغیرہ میں شائع مضامین کا ترجمہ ہیں جیسے علوم اسلامیہ اور اٹلی (مطبوعہ دسمبر ۱۹۱۰ء)، کیا مسلمانوں نے مطابع ایجاد کیے تھے (دسمبر ۱۹۱۰ء)، اسلام عیسائی ممالک میں (مئی ۱۹۱۰ء)، اسلامی علوم و فنون اور یورپ (اپریل ۱۹۱۱ء)، مصر کے جدید مدارس (اگست ۱۹۱۱ء)، دار العلوم بیروت (فروری ۱۹۱۲ء) وغیرہ۔ یہ ترجمے اپنی سلاست، روانی اور اسلوب کی شگفتگی کے سبب اصل معلوم ہوتے ہیں اس کے علاوہ مصر و شام میں چھپنے والی عربی مطبوعات اور امہات کتب پر تبصرے بھی ہیں جیسے مناقب عمر بن العزیز، کتاب الملل والنحل (ابن حزم)، المرأۃ المسلمہ، برناباس کی انجیل، تفسیر کبیر، تاریخ ابن خلدون، بلاغات النساء، تاریخ التمدن الاسلامی (جرجی زیدان)، العرب قبل الاسلام، نہایت الارب، تجارب الامم، شعر العرب، طبقات ابن سعد، الیادہ مرتبہ ہومر کا عربی ترجمہ، تلفیق الاخبار اور اخبار الحکماء وغیرہ۔

ان عربی کتابوں پر تبصرے بڑی عرق ریزی اور دقت نظر سے کیے گئے ہیں۔ان کے موضوعات ومباحث کے ایک ایک جزئیے پر فاضلانہ ومنصفانہ رائے دی گئی ہے اور اسی خصوصیت نے ان تبصروں کو حد تبصرہ سے نکال کر اعلیٰ مضامین کی حیثیت دے دی ہے۔اس طرز تحریر سے ایک طرف تو قاری کے ذہن میں ان مطبوعات کی قدر و قیمت اور عربوں کی علمی تاریخ کا نقش ابھرتا ہے، دوسری طرف اہل عرب کے تحقیقی اور علمی مزاج اور فکری بلندیوں کے رخ کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ عربی مطبوعات پر اس قدر اعلیٰ پایہ کے تبصروں کی روایت بھی ہمارے خیال میں الندوہ ہی نے شروع کی۔اردو کا شاید ہی کوئی دوسرا رسالہ اس کے اس وصف خاص میں شریک ہو۔

چند تبصروں کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

تاریخ ابن خلدون: ابن خلدون عالم عرب کا مایہ ناز فرزند ہے، اپنے علمی اور تصنیفی و تحقیقی کارناموں کے سبب اس کو عرب کے ساتھ ساتھ یورپ میں بھی شہرت وناموری حاصل ہوئی۔ اس کی مشہور تصنیف تاریخ ابن خلدون ہے۔الندوہ میں اس عظیم تصنیف پر تبصرہ یقیناً لائق مطالعہ ہے، تبصرہ میں ابن خلدون کے ان اصولوں کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے جن کو اس نے اپنی تاریخ نویسی میں برتا ہے۔ابن خلدون کے مورخانہ اصولوں کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ اس سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے فلسفیانہ اصولوں پر تاریخ لکھی۔ابن خلدون سے قبل طریقہ یہ تھا کہ تاریخی واقعات سنہ وار قلم بند کیے جاتے تھے یعنی سال بھر میں جو قابل ذکر واقعات دنیا میں رونما ہوئے ہیں سب ایک سنہ کے تحت درج کیے جاتے تھے اور یہ نہج اہل عرب کے خاص مذاق کے مطابق تھا اور وہ ہر سال کے لیے ایک تاریخی سالنامہ تحریر کرتے تھے، جس کی جلدیں جمع کر کے ایک مکمل تاریخ بن جاتی لیکن اس طریقہ میں بہت سی دشواریاں بھی تھیں۔ان دشواریوں سے نبٹنے کے لیے ابن خلدون نے اس طرز کو بالکل بدل دیا، اس کی تاریخ گویا آج کل کی تالیف ہے۔ تمام واقعات یکجا فراہم ہیں اور سب میں ایک خاص حد تک تسلسل قائم ہے، ابن خلدون نے فلسفۂ تاریخ پر غور کیا اور فن تاریخ کی نئے ڈھنگ و آہنگ سے تعریف کی اور چند اصول تاریخ نویسی مرتب کیے، جن کا مطالعہ الندوہ کی اشاعت کے زمانہ میں یقیناً اہم تھا۔(۱۷)

تبصرہ میں نہ صرف یہ کہ ان اصولوں کی نشان دہی کی گئی ہے بلکہ ابن خلدون نے کہاں

تک اپنی تاریخ نویسی میں انہیں برتا ہے۔ ان پر ناقدانہ نظر بھی ڈالی گئی ہے، مثال کے طور پر ابن خلدون کے خیال میں اہل عرب طبعاً بدوی اور جنگی مزاج کے حامل ہیں۔ اسی وجہ سے جب وہ کسی ملک پر قابض ہوتے ہیں تو وہاں تباہی و بربادی کے سامان بہت جلد پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بطور تمہید شام و عراق کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ قیصر و کسریٰ کے عہد میں یہاں جس قدر آبادی تھی اسلام کے بعد روز بروز اس میں تنزل آتا گیا۔ ابن خلدون کی اس رائے پر مبصر نے نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مورخ موصوف کا یہ بیان اثری تحقیقات کے بالکل برعکس ہے۔ علم الآثار نے اب اس مسئلہ کو اس قدر صاف کر دیا ہے کہ شک و شبہہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ یہ غلط فہمی اس کو اس لیے پیدا ہوئی کہ شام و عراق سے وہ بذات خود ناواقف تھا اور دلیل میں خود اس کا یہ قول پیش کیا ہے کہ جس میں ابن خلدون نے مشرقی اقوام کے حالات سے ناواقفیت کا اعتراف خود کیا ہے۔ (۱۸)

عربوں کے نظریہ سیاست کے متعلق ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اہل عرب سیاست کی الف ب سے ناواقف اور ان کو اس فن سے ذرا بھی مناسبت نہیں ہے۔ اگر ان کو سیاست آتی تو وہ افریقہ میں زمانہ دراز سے پھیلی بد انتظامی اور اندلس کی عربی ریاستوں کو ضائع ہونے سے بچا لیتے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے ابن خلدون کو یقین سا ہو چلا تھا کہ فطری طور پر عربوں میں متمدن ہونے کی صلاحیت ہے ہی نہیں۔ حالانکہ اس کے برخلاف ماہرین علم الاقوام نے اہل عرب کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شائستگی اور تمدن کا مادہ اہل عرب میں دنیا کی دوسری قوموں سے زیادہ موجود ہے۔ (۱۹) عربوں کے تمدن پر سطور بالا میں ذکر آچکا ہے۔

اس تبصرہ میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ عربوں کو فن تعمیر جو کسی قوم کے متمدن ہونے کا سب سے بڑا مظہر ہے سے فطری طور پر دلچسپی تھی۔ اسلام سے قبل بھی وہ اس فن میں شہرۂ آفاق تھے اور بعد اسلام بھی۔ یہ فن ان کے سایۂ عاطفت میں رہا۔ سیلاب کی طغیانی روکنے کے لیے مآرب (یمن کا ایک شہر) میں انہوں نے جو دیوار بنائی تھی۔ عرب میں اس کے استحکام کے عجیب و غریب افسانے آج بھی زبان زد خاص و عام ہیں۔ ابن خلدون نے اس کو اپنی تاریخ میں بطور خاص جگہ دی ہے عہد اسلامی میں عربوں کی بدولت اس فن کو جو عروج حاصل ہوا اس کی تفصیل معلوم کرنا ہو تو اسپین جاؤ، قرطبہ میں قصر الزہراء کے کھنڈروں کی زیارت کرو، غرناطہ جا کر دیکھو کہ

وہاں کی خاک میں آثار عرب کے کس قدر جواہر پارے اپنی عظمت رفتہ کی یاد دلا رہے ہیں۔ شکستہ مسجدوں سے پوچھو، آل عدنان کا تمدن کس شان و شکوہ کا تھا اور ایوان حمراء سے دریافت کرو کہ کس عظمت و شان کی زندگی بسر کی۔ (۲۰)

طبقات ابن سعد: جیسا کہ ذکر ہوا کہ الندوہ میں عربی مراجع کی اہم کتابوں پر نہایت اہم تبصرے کیے گئے۔ ان ہی میں طبقات ابن سعد پر مفصل تبصرہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اہل نظر واقف ہیں محمد ابن سعد زہری تیسری صدی ہجری کے مورخ ہیں۔ بغداد میں ۲۳۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ رسول اللہ اور صحابہ کرام کے حالات میں ۱۲ جلدوں پر مشتمل اس کتاب سے تاریخ اسلام کا ہر طالب علم واقف ہے۔ تبصرہ گو مختصر ہے مگر جامعیت کی خوبی سے آراستہ ہے، اپنے طرز تحریر اور اسلوب بیان اور استناد کے لحاظ سے تمام مورخین و محدثین کے نزدیک نہ صرف اہم بلکہ بعد کے تمام تصنیفات کے لیے مرجع اور مُأخذ نقل و روایت ہے۔ تمام مورخین اس کتاب کا حوالہ دیتے ہیں اور اختلاف روایات کے موقع پر بطور حکم طبقات ابن سعد کے اقوال پیش کرتے ہیں اور گو اس موضوع پر اس کے بعد لوگوں نے سینکڑوں کتابیں لکھیں لیکن کسی نے اس جیسا اعتبار و استناد حاصل نہیں کیا ہے۔ تمام واقعات بسند متصل لکھے گئے ہیں۔ شہنشاہ جرمن کے خاص عطیہ سے پروفیسر ساخو نے اس کو ایڈٹ کر کے شائع کیا تو تاریخ عرب کے شیدائیوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مبصر نے اس کے صفحات حتی کی سطروں کی تعداد اور اس کی قیمت وغیرہ کے متعلق بنیادی معلومات فراہم کردی ہیں۔ (۲۱)

تاریخ التمدن الاسلامی: جرجی زیدان مشہور عیسائی مصنف ہے۔ اس نے چار جلدوں میں عربی زبان میں تاریخ التمدن الاسلامی نام سے کتاب لکھی جس میں در پردہ اسلام اور مسلمانوں پر سخت اور متعصّبانہ حملے کیے لیکن بظاہر مسلمانوں کی مدح و توصیف کی ہے۔ مولانا شبلی کو جب یہ کتاب ہاتھ لگی تو نہایت سنجیدگی سے اس کا مطالعہ کیا اور مذہب اسلام اور تاریخ اسلام سے متعلق اس میں جو غلطیاں دیدہ و دانستہ چھوڑ دی گئی تھیں، ان کی اصلاح کی اور اس کے ہفوات کی قلعی کھولی۔ یہ کتاب عربی زبان میں تھی اس لیے مولانا نے اس کا جواب بھی ''الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی'' کے نام سے عربی ہی میں لکھا۔ بعد میں اس کی اردو تلخیص ''الندوہ'' میں شائع کی، جس میں مصنف کی اس کتاب کے مقاصد کی طرف بطور خاص توجہ دلائی ہے۔ اس کے انداز تحریر کے متعلق لکھا ہے کہ

مصنف نے اس کو ناول کے انداز میں لکھا لیکن جابجا ضمنی مواقع پر اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔اس کے مقاصد کی طرف نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اصل مقصد عربوں کی تحقیر اور مذمت ہے۔ نیز خلفائے بنی امیہ وعباسیہ کو مذہب اسلام کی اہانت کا مجرم گردانا ہے اور لکھا ہے کہ منصور بغداد میں کعبہ کی تحقیر کے لیے قبۂ خضرا اور معتصم نے سامرہ میں کعبہ اور صفاومروہ تعمیر کرایا۔نیز اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے عام اعتراضات کا دروازہ کھلے۔ان اغراض کو حاصل کرنے کے لیے مصنف نے صریح کذب و دروغ ، روایات نقل کرنے میں خیانت اور تحریف ، واقعہ کی صورت بدلنے کے لیے اپنی طرف سے اضافہ کردینا اور غلط استنباط واستدلال وغیرہ کے رویے کو اپنایا ہے۔ اس کے دلائل مولانا شبلی نے خود اس کی تصنیف ہی سے دیے ہیں۔پھر ان تمام الزامات کا ایسا دنداں شکن جواب دیا ہے جس سے ان کی بے بنیادی ثابت ہوتی ہے اور حقائق سامنے آجاتے ہیں اور عربوں کے چہرہ پر لگائے گئے داغوں کو کھرچ کھرچ کر صاف کردیا ہے۔(۲۲)

اس کے علاوہ الندوہ میں شائع ہر مقالہ عربی تاریخ کے حوالہ سے مطالعہ کے لائق ہے۔ سطور بالا میں ذکر کیے گئے مضامین کے اس جائزہ سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ عربوں کی علمی، تحقیقی، تعلیمی ، معاشرتی ، اقتصادی، تہذیبی ، مذہبی ،سوانحی ، سائنسی اور دینی تاریخ کے حوالہ سے ''الندوہ'' ایک اہم ہندوستانی ماخذ ہے۔

حوالے

(۱) حیات شبلی، ص ۳۵۰، طبع جدید۔(۲) الندوہ، جنوری ۱۹۱۲ء، ص ۵۔(۳) الندوہ، ج ۱، ش ۲، ستمبر ۱۹۰۴ء، ص ۶-۷۔(۴) ایضاً، ص ۱۷۔(۵) الندوہ، ج ۱، ش ۶، جنوری ۱۹۰۵ء۔(۶) الندوہ، ج ۳، ش ۶، جولائی ۱۹۰۶ء، ص ۱ تا ۴۔(۷) الندوہ، جون ۱۹۱۲ء، ص ۲۹۔(۸) ایضاً، ص ۳۰۔(۹) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الندوہ، ج ۵، ش ۵، جون ۱۹۰۸ء، ص ۲۱-۲۲۔(۱۰) ایضاً، ص ۶۔(۱۱) الندوہ، اپریل ۱۹۰۸ء، ج ۵، ش ۳، ص ۱۴-۱۵۔ (۱۲) الندوہ، ج ۸، ش ۳، مارچ ۱۹۱۱ء، ص ۲۵-۳۲۔(۱۳) ملاحظہ ہو الندوہ، ص ۵ و مابعد، سنۂ اشاعت ندارد۔ (۱۴) الندوہ، جولائی ۱۹۱۱ء، ص ۲۹ تا ۳۱۔(۱۵) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الندوہ، نومبر ۱۹۰۴ء، ص ۲۱ تا ۳۰۔ (۱۶) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الندوہ، مارچ و مئی ۱۹۰۹ء، و ستمبر ۱۹۱۱ء۔(۱۷) الندوہ، ج ۵، ش ۸، ستمبر ۱۹۰۸ء، ص ۵ و مابعد۔(۱۸) ایضاً، ص ۱۲۔(۱۹) ایضاً، ص ۱۵۔(۲۰) ایضاً، ص ۱۷-۱۸۔(۲۱) الندوہ، ج ۹، ش ۳، مارچ ۱۹۱۲ء، ص ۳۱۔(۲۲) الندوہ، ج ۸، ش ۱، اکتوبر ۱۹۱۱ء۔

اے کہ تو تھا اہل دل، اہل نظر کی آرزو

جناب وارث ریاضی صاحب

پروفیسر مختار الدین احمد آرزوؒ (۱۹۲۴ء-۲۰۱۰ء) اپنے رب کی آغوش رحمت میں چلے گئے۔ یہ خبر صاعقہ بن کر ذہن و دل پر گری اور میں ساکت و خاموش ہو گیا۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ ایسا محسوس ہوا جیسے مجھ سے میرا سرمایۂ علم چھین لیا گیا۔

پروفیسر مختار الدین احمد آرزوؒ کی علمی شخصیت سے قدرے واقفیت تھی لیکن ان سے ملاقات کا شرف ۲۷؍ستمبر ۱۹۹۸ء کو سر سید نگر میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب (۱۹۱۵ء-۲۰۰۸ء) کے دولت کدہ پر حاصل ہوا۔ بڑی محبت سے ملے جیسے بہت پہلے سے ان سے یاد اللہ ہو۔ پہلی ہی ملاقات میں آرزو صاحب کی علمی شخصیت لوح دل پر نقش ہو گئی۔ جیسے جیسے تعلقات بڑھتے گئے میں ان کا گرویدہ ہوتا چلا گیا۔

ناچیز جب بھی علی گڑھ جاتا، کبھی کبھی روزانہ اور کبھی ایک آدھ دن ناغہ کرکے، ان کی خدمت میں پہنچتا۔ آرزو صاحب خندہ پیشانی سے ملتے اور اپنا سارا کام چھوڑ کر، دیر تک علمی گفتگو کرتے۔ زیادہ رات ہو جاتی تو اپنی کار سے قیام گاہ تک پہنچوا دیتے۔ آرزو صاحب خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ کئی بار ایسا بھی ہوا ہے کہ آرزو صاحب سخت بیمار ہیں۔ ڈاکٹروں نے آرام کرنے کی ہدایت کی ہے۔ ایسی حالت میں جب ان کے یہاں پہنچا ہوں تو وہ دو آدمیوں کے سہارے باہر کے لان میں آئے ہیں اور دیر تک گفتگو کی ہے:

بے حجابانہ توجہ ، بے تکلف التفات
اس نے رسم ناز و تمکیں توڑ دی میرے لیے

کاشانۂ ادب سکٹا (دیوراج)، ڈاک خانہ بسوریا، وایا لوریا، مغربی چمپارن بہار۔ ۸۴۵۴۵۳

ناچیز جب بیمار ہوکر علی گڑھ جاتا تو آرزو صاحب میری قیام گاہ پر عیادت کے لیے تشریف لاتے، مشورہ دیتے کہ فلاں ڈاکٹر سے معائنہ کراؤ اور صحت یابی کی دعائیں دیتے۔ اس وقت میرے ذہن میں مولانا حسرت موہانیؒ کا یہ شعر ہوتا:

صحتیں لاکھوں ، مری بیماریِ غم پر نثار
جس میں اٹھے بارہا ان کی عیادت کے مزے

آرزو صاحب زیور علم سے آراستہ ہونے کے ساتھ اخلاق حمیدہ کا پیکر مجسم بھی تھے۔ بڑے ہی ملن سار، خلیق اور متواضع انسان تھے۔ ایثار و وفا، اخلاص و محبت اور انکساری میں وہ اسلاف کا نمونہ تھے۔

نہ صرف ہندوستان و پاکستان بلکہ ایران، عرب ممالک اور یورپ کے علمی حلقوں میں آرزو صاحب کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا، یورپ کے مشہور و معروف اہل علم اور مستشرقین سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ عرب ممالک کے کئی علمی اداروں کے رکن تھے۔

آرزو صاحب کو عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں میں عبور حاصل تھا۔ اول الذکر تینوں زبانوں میں آرزو صاحب کے علمی، ادبی، تنقیدی اور تحقیقی کارنامے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ انگریزی میں بھی مقالات ہیں۔ عربی زبان و ادب کی گراں قدر خدمات پر ان کو صدر جمہوریہ ہند کی جانب سے سرٹی فیکٹ آف آنر سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ ہند و بیرون ہند کے علمی اداروں کی طرف سے کئی کو انعامات و اعزازات پیش کیے گئے۔

آرزو صاحب جتنے بڑے عالم اور محقق تھے اتنے ہی بڑے انسان بھی تھے۔ اہل علم کا علمی تعاون کرنے میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ جب کوئی صاحب علم، آرزو صاحب سے کسی مقالے یا کتاب کی تصنیف و تالیف میں ان سے تعاون کی درخواست کرتا تو آرزو صاحب اس کی مدد کے لیے فکر مند ہو جاتے اپنے خرچ سے مطلوبہ مقالات اور کتابیں منگواتے اور ان کی عکسی نقول اس صاحب علم کو بھجواتے۔

ناچیز ۷/اگست ۲۰۰۸ء کو علی گڑھ میں آرزو صاحب سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا تھا (افسوس کہ وہ ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوئی) گفتگو کے دوران آرزو صاحب نے فرمایا کہ

ڈاکٹر محمد عالم مختار حق (لاہور) کو ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم (۱۹۰۸ء-۲۰۰۲ء) کے معارف میں شائع شدہ مکاتیب اور مقالات کی ضرورت ہے۔ وطن پہنچنے کے بعد پہلی فرصت میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کے مکاتیب و مقالات کے عکسی نقول بھیجنے کی کوشش کرتا۔ گھر پہنچنے کے تین چار روز کے بعد آرزو صاحب کا مکتوب ملا۔ انہوں نے تحریر فرمایا:

علی گڑھ

۲۰۰۸/۸/۸ء

مولانا المکرّم السلام علیکم۔

یقین ہے کہ آپ خیر و عافیت سے گھر پہنچ گئے ہوں گے۔ ان مضامین اور خطوط کے عکس مطلوب ہیں:

۱۔ کیا اسلامی قانون، رومی قانون کا مرہون منت ہے (معارف ۴ر اقساط جنوری تا اپریل ۱۹۷۳ء)۔ ۲۔ ہبوط آدم (معارف جولائی ۱۹۸۳ء)۔

مکاتیب: ۱۔ مارچ ۱۹۷۱ء۔ ۲۔ جنوری ۱۹۷۴ء۔ ۳۔ مئی ۱۹۸۳ء۔ ۴۔ دسمبر ۱۹۷۲ء۔ ۵۔ اگست ۱۹۸۱ء۔ ۶۔ اگست ۱۹۸۶ء۔ ۷۔ مارچ ۱۹۸۷ء۔ ۸۔ دسمبر ۱۹۸۷ء۔ ۹۔ مئی ۱۹۸۸ء۔ جب یہ کام کرلیں تو پھر ڈاکٹر نذیر احمد صاحب اور میرے خطوط کے عکس کی طرف توجہ فرمائیں۔

میرا خیال ہے کہ معارف ۱۹۷۳ء آپ کے پاس نہ ہوگا۔ اگست ۱۹۳۱ء، نومبر ۱۹۴۱ء اور جون ۱۹۴۳ء کے شمارے بھی آپ کے پاس نہ ہوں گے۔ جن میں ان کے مضامین چھپے ہیں۔ امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

عکس بنوانے سے پہلے اطلاع دے دیں کہ یہ شمارے موجود ہیں کہ تردد دور ہو ورنہ دفتر معارف کو لکھنا ہوگا، وہاں سے مطلب برآری میں خاصی تاخیر ہوگی۔

اس مکتوب پر آرزو صاحب دستخط کرنا بھول گئے۔

مطلوبہ مکاتیب میں جو مل گئے میں نے ان کی عکسی نقول آرزو صاحب کو بھیج دیں۔ موصول ہونے پر انہوں نے دوسرا خط ارسال کیا:

باسمہ تعالیٰ

علی گڑھ

۲۰۰۸/۹/۵ء

مکرمی و محترمی، السلام علیکم

درحمید اللہ مرحوم کے ۱۵ خطوط کے عکس اور آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ بہت ممنون ہوا۔ آپ نے بہت زحمت فرمائی۔ علمی کاموں میں مدد دینا، اہل علم کا دستور رہا ہے۔ خوشی ہوئی کہ آپ جیسی ہستیاں ابھی ہم میں موجود ہیں۔ خدا آپ کو خوش و خرم رکھے۔

لاہور کے ایک دوست کو ان خطوط کی نقل کی ضرورت تھی ۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے مقالات اور مکاتیب جو معارف میں چھپے ہیں ان کو مقالات و مکاتیب کے ساتھ ایک مجموعے میں شائع کرنے والے ہیں۔ مقالات کے عکس کے لیے میں نے آپ کو زحمت نہیں دی کہ اس کا انتظام یہاں ہوگیا ہے۔ امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

خیر طلب مختار الدین احمد

مولانا محمد عالم مختار حق (لاہور) کو علمی مدد پہنچانے کے لیے پروفیسر مختار الدین احمد نے تیسری بار ۳۰؍ستمبر ۲۰۰۸ء کو ایک خط میرے نام ارسال فرمایا۔ رقم طراز ہیں:

باسمہ

علی گڑھ

۳۰؍ستمبر ۲۰۰۸ء

مولانا المکرّم السلام علیکم

مولانا محمد عالم مختار حق (لاہور) ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم و مغفور سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ میں نے پہلے بھی آپ کو لکھا ہوگا وہ آج کل مرحوم کے مقالات و مکتوبات شائع کرنے کے منصوبے کی تکمیل میں لگے ہیں۔ مکتوبات مطبوعہ معارف کی جو عکسی نقلیں آپ نے ازراہ کرم عنایت فرمائی تھیں، وہ انہیں بھیج دیں اور انہیں موصول ہوگئیں۔ ان کے مقالات کے عکس کے لیے میں نے آپ کو زحمت نہیں دی کہ یقین تھا یہاں معارف کے

مطلوبہ شمارے مل جائیں گے اور میں انہیں عکس بھجوادوں گا۔ معارف کے سارے شمارے مل گئے اور ان کے عکس بنوا کر بھیج دیے صرف تین شمارے یہاں نہیں ملے، ان کے عکس کے لیے آپ کو زحمت دے رہا ہوں:

معارف اگست ۱۹۸۳ء اس میں پکھتال پر مضمون چھپا ہے۔

معارف فروری و مارچ ۱۹۷۳ء، ان میں اسلامی قانون کی دو قسطیں شائع ہوئیں ہیں۔

اگر ان تین مضامین کے عکس آپ کی توجہ سے مل جائیں تو ہم لوگ آپ کے بہت ممنون ہوں۔ عید سعید کی تہنیت قبول فرمایئے۔ امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا اور بیگم صاحبہ تندرست ہوں گی۔ آپ لوگوں کی خیر وعافیت کے لیے دعا کرتا رہتا ہوں۔

والسلام

مختار الدین احمد

معارف اگست ۱۹۸۳ء میں ڈاکٹر حمید اللہ کے شائع شدہ مقالے کا عکس تو میں نے آرزو صاحب کو بھیج دیا لیکن معارف فروری اور مارچ ۱۹۷۳ء کے شمارے میرے پاس نہیں تھے اس لیے بقیہ مضامین کا عکس بھیجنے سے معذرت کردی۔ اس کے بعد آرزو صاحب نے مجھے اطلاع دی کہ ڈاکٹر حمید اللہ کے مکاتیب و مقالات کی مطلوبہ عکسی نقلیں ڈاکٹر محمد عالم مختار حق کو مل گئی ہیں اس لیے آپ کو مزید زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

بہت سے اہل علم، خط کا جواب دینے میں کوتاہی کرتے ہیں یا جواب ہی نہیں دیتے لیکن پروفیسر مختار الدین احمد آرزو مراسلہ نگار کے ہر خط کا جواب دینا ''سلام'' کے جواب کی طرح ضروری سمجھتے تھے۔

ایک ملاقات میں پروفیسر ریاض الرحمٰن خاں شروانی دامت برکاتہم کی موجودگی میں آرزو صاحب نے دریافت فرمایا:

''آپ حضرات کا کیا خیال ہے اب تک میں نے کتنے خطوط لکھے ہوں گے؟'' میں نے عرض کیا کہ روزانہ اوسطاً آپ تین چار خطوط لکھتے ہیں، جیسا کہ ایک بار آپ نے فرمایا تھا،

لیکن صحیح تعداد تو آپ ہی بتا سکتے ہیں۔آرزو صاحب نے فرمایا:

''اب تک میں نے ۶۰۰۰۰ (ساٹھ ہزار) سے زیادہ خطوط لکھے ہیں''۔

اتنی تعداد میں خط لکھنا کوئی معمولی بات نہیں۔اس وصف میں شاید ہی کوئی آرزو صاحب کا ہم سر ملے گا۔آرزو صاحب اپنے بعض بعض علمی خطوط کا زیراکس بھی بنوا لیتے تھے۔

آرزو صاحب اس ناچیز کے ہر خط کا جواب بلا تاخیر دیتے تھے، وہ تفصیلی خط بھی لکھتے تھے اور مختصر بھی۔وہ علمی خطوط کے جواب بھی دیتے تھے اور ذاتی معاملات میں بھی ان سے مراسلت ہوتی تھی۔

ڈاکٹر امام اعظم ایڈیٹر ''تمثیل نو'' (دربھنگہ، بہار) کو الیاس رحمانی (دربھنگوی) کے ان مضامین کی ضرورت تھی جو بقول امام اعظم صاحب معارف میں ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۸ء کے درمیان شائع ہوئے تھے۔ڈاکٹر امام اعظم نے مجھ سے رابطہ کیا۔میں نے اس سلسلہ میں آرزو صاحب کو لکھا۔اس خط میں میں نے آرزو صاحب سے یہ بھی معلوم کرنا چاہا کہ امرؤ القیس کے معلقہ کا یہ پانچواں شعر ہے:

وقوفا بها صحبی علی مطیهم يقولون لا تهلك اسی و تجمل

(میں زار و قطار رو رہا تھا) اور میرے ساتھی ان اجڑے ہوئے میدانوں میں (جہاں محبوبہ کے گھر کے نشانات تھے) اپنی سواریوں کو تھامے ہوئے مجھ سے کہہ رہے تھے کہ غم فراق سے اپنے آپ کو ہلاک مت کر۔صبر جمیل اختیار کر)

یہ شعر طرفہ عبدی کے معلقے میں بھی صرف ایک لفظ کے فرق کے ساتھ ملتا ہے۔طرفہ عبدی کہتا ہے:

وقوفا بها صحبی علی مطیهم يقولون لا تهلك اسی و تجلد

(ثہمد کی پتھریلی زمین میں خولہ کے گھر کے نشانات چمک رہے تھے) اور میرے احباب اپنی سواریوں کو روکے ہوئے مجھ سے کہہ رہے تھے غم ہجر سے خود کو ہلاک نہ کر اور صبر وہمت سے کام لے)

امرؤ القیس نے اپنے شعر میں ''تجمل'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور طرفہ نے ''تجلد'' کا ویسے یہ دونوں امر کے صیغے، صبر جمیل اختیار کرنے کے معنی میں مستعمل ہیں۔میں نے آرزو صاحب

سے پوچھا کہ اسے سرقہ کہا جائے گا یا توارد؟ امرؤ القیس جیسے عظیم شاعر کے مذکورہ بالا شعر سے طرفہ عبدی کا توارد سمجھ سے بالاتر ہے۔

آرزو صاحب نے جواب دیا:

علی گڑھ

۱۰/۴/۲۰۰۹ء

مرے مکرم السلام علیکم

معارف کا صحیح اور مکمل اشاریہ ہمارے شعبے کے ایک معتبر ریسرچ اسکالر نے تیار کیا ہے، جو جلد دار المصنّفین کے زیر اہتمام شائع ہوگا۔ یہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم کی فرمائش پر تیار کیا گیا ہے۔ طبع پاکستان میں متعدد کمیاں ہیں۔

انہوں نے آج اطلاع دی کہ مولانا الیاس رحمانی کا کوئی مضمون معارف میں ابتداء سے ۲۰۰۵ء تک شائع نہیں ہوا ہے۔ طبع پاکستان ابھی تلاش پر نہیں ملا لیکن ڈاکٹر جمشید (مرتب) کی بھیجی ہوئی اطلاع پر یقین کیجیے۔

وہ دوسری (ا) کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ کیا آپ نے بھی اس کے لیے کوئی مضمون لکھا تھا؟ نہ لکھا ہو تو کسی اچھے پسندیدہ موضوع کا انتخاب کر کے اب لکھ دیں تو مرتبین اور ناشرین ممنون ہوں گے۔

مکتوب نذیر کا عکس ملا۔ شکریہ، یہ کس ڈاکٹر کے نام ہے؟ یہاں ڈاکٹر نسیم انصاری تھے لیکن وہ تو سرجن تھے۔

طرفہ کے یہاں توارد ہوا ہوگا۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی شاعر کا شعر بہت پسند آتا ہے پھر زمانہ گزرنے کے بعد وہ بھول جاتا ہے لیکن شعر کا مرکزی (خیال) اس کے دماغ کے کسی گوشے میں دس بیس سال کے بعد بھی محفوظ رہتا ہے۔ یا بھول جاتا ہے۔ لیکن ۲۱ سال تک یاد آجاتا ہے اس کا مفہوم۔ اور کبھی کبھی ان ہی لفظوں کے ساتھ بعد کو شاعر یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ اس کا خیال، اس کا تصور اور اس کا مصرع یا شعر ہے۔ اس پر غور کیجیے۔ امید (ہے) آپ بخیر ہوں گے۔ والسلام

مختار الدین احمد

آرزو صاحب نے جولائی ۱۹۹۹ء میں حاتم دہلوی کے فارسی دیوان کا مجموعہ بھجوایا تھا کہ میں اس کی واضح نقل کرادوں۔ میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور اس دیوان کی نقل ان کو بھیج دی۔ حاتم دہلوی کا وہ فارسی دیوان، آرزو صاحب کے مقدمے کے ساتھ رضا لائبریری رام پور (یوپی) سے اپریل ۲۰۱۰ء میں چھپ کر آیا تو انہوں نے اس کا ایک نسخہ مجھے بھی بھجوایا اور اس کے ساتھ اپنے والد محترم مرحوم کی مختصر سوانح حیات بھی۔ میں نے اطلاع دی کہ کتابیں مل گئی ہیں۔ تو انہوں نے ذیل کا خط بھجوایا جو ان کی تحریر میں نہیں ہے لیکن اس پر ان کا دستخط ہے:

علی گڑھ

۲۷/مارچ ۲۰۱۰ء

مکرمی وارث ریاضی صاحب السلام علیکم

صبح آپ سے ٹیلی فون پر گفتگو کرتے وقت خوشی ہوئی، ویسے بہترین وقت آپ سے بات کرنے کا، آٹھ بجے شب سے گیارہ بجے شب تک ہے۔ جس وقت میں اپنی خواب گاہ میں کام کرتا رہتا ہوں اور وہیں پر ٹیلی فون رکھا رہتا ہے یا گیارہ بجے دن کو جب میں بہت سے مسائل سے فارغ ہو کر اسٹڈی میں کام کرنے بیٹھتا ہوں، ٹیلی فون پاس ہوتا ہے۔ بقیہ اوقات میں کسی اور کمرے میں یا صبح، شام لان میں بیٹھتا ہوں کبھی کبھی فون کی گھنٹی بج کر ختم ہو جاتی ہے اور مجھے پتا نہیں چلتا۔ کتابیں مل گئیں تردد دور ہوا۔ خط لکھیے اور ان پر اپنی رائے لکھیے۔ کمزور بہت ہو گیا ہوں۔ دو ڈاکٹروں کے زیر علاج ہوں، ویسے کل سے آج طبیعت کچھ بہتر ہے۔ صحت کاملہ میں اور قوت آنے میں مہینہ بھر سے کیا کم لگے گا۔ دعائے فرمایئے۔ والسلام

مختارالدین احمد

ناچیز کے نام سے آرزو صاحب نے کوئی پچاس سے زیادہ خطوط لکھے ہیں۔ یہ مکتوب ان کا آخری مکتوب ہے۔ ویسے فون پر ان سے مسلسل رابطہ رہا اور ان کی خیریت معلوم ہوتی رہی۔ ادھر تقریباً چار مہینے سے آرزو صاحب کی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی تھی۔ گذشتہ مارچ ۱۰ء میں جناب مہر الٰہی ندیم صاحب کے حوالے سے علی گڑھ سے میرے بیٹے نے اطلاع دی تھی کہ آرزو صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہے، اس لیے آپ یہاں آکر ان سے ملاقات کرلیں۔ سوچا تھا رمضان المبارک

میں جب مدرسہ بند ہو جائے گا تو علی گڑھ جا کر آرزو صاحب سے ملاقات کرلوں گا۔ وفات سے دو روز قبل آرزو صاحب سے فون پر بات ہوئی تھی۔ بھرائی ہوئی آواز میں انہوں نے باتیں کیں اور ڈھیر سی دعائیں دیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اپنے عزیز دوست جگن ناتھ آزاد (۱۹۱۸ء-۲۰۰۴ء) کی زبان میں یہ کہہ رہے ہیں:

جس چمن کا تنکا تنکا تم اڑا کر لے گئیں　　اے ہواؤ! اس چمن کا آخری تنکا ہوں میں

افسوس ہے کہ ۷/اگست ۲۰۰۸ء کے بعد سے ان سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ فیصلۂ قضا و قدر کچھ یہی تھا کہ آرزو صاحب سے ملنے کی آرزو صرف آرزو ہی رہ جائے گی اور وہ اپنے رب کے جوار رحمت میں چلے جائیں گے:

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدی وصال　　صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

دارالمصنّفین سے پروفیسر مختار الدین احمد آرزو صاحب کا بہت گہرا تعلق تھا۔ وہ دارالمصنّفین کے علمی کارناموں کے بڑے مداح تھے۔ معارف کی مجلس ادارت کے رکن تھے، ان سے جب بھی ملاقات یا فون پر بات ہوتی تو وہ مجھے معارف سے علمی رابطہ رکھنے کے لیے تاکید کرتے۔ ایک بار انہیں میں نے ایک نعت دی کہ وہ اسے پاکستان کے کسی علمی رسالے میں چھپوانے کے لیے بھیج دیں۔ اس پر آرزو صاحب نے فرمایا:

"معارف میں بھیجو۔ معارف ہندوستان کا سب سے معیاری رسالہ ہے، علمی حلقوں میں بہت مقبول ہے۔ اہل علم معارف کو بڑے شوق اور توجہ سے پڑھتے ہیں۔ معارف کا معیار پاکستان کے کسی بھی علمی رسالے سے کم نہیں"۔

پروفیسر مختار الدین احمد آرزو جیسے دانش ور اور بالغ نظر محقق کی وفات سے علمی دنیا میں ایک عظیم خلا پیدا ہو گیا ہے۔ رحمه الله رحمة واسعة ۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

---

(۱) اشارہ ہے آرزو صاحب کی شخصیت پر چھپنے والی اس کتاب کی طرف جس میں ان کی اسلامی علوم کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اخبار علمیہ

مشہور امریکی صحافی بریٹ بکز نے قرآن مجید سے متعلق بعض دانشوروں کے خیالات پر مشتمل ایک رپورٹ دی اسٹار (اینسٹن اسٹار) کے لیے تیار کی تھی، اس میں معروف دانشور مصنف اور ماہر مذہبیات اسٹیفن پروتھیرو کا نقل کیا ہے کہ قرآنی تعلیمات کو بہ آسانی سمجھنے کے لیے پہلے سورۂ فاتحہ، اس کے بعد آخری پارہ کی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھی جائیں اور آخر میں اس کے ابتدائی حصہ کی بڑی بڑی سورتوں کا مطالعہ مناسب ہے کہ ان میں مذہب اسلام سے متعلق احکام ہیں۔ مطالعہ قرآن کی یہ منطقی ترتیب واقعتاً قابل اتباع ہے اور غالباً پہلی بار کسی غیر مسلم قاری نے اس طرز و انداز سے قرآن پڑھنے کا مشورہ دیا ہے۔ یہ پوری خبر اینسٹن اسٹار ڈاٹ کام، بریٹ بکز، بکز ایٹ دی ریٹ آف یاہو ڈاٹ کام پر دیکھی جاسکتی ہے۔

سعودی عرب میں اسلامی مسائل پر فتوی جاری کرنے کا حق سینئر علما کونسل کو ہے، اس کونسل کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے۔ اس کے صدر مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز الشیخ نے خواتین کو بازاروں میں بحیثیت کیشئر کام کرنے کے خلاف فتوی دیا ہے۔ نیوز ویب سائٹ Sabq.Org کی اطلاع کے مطابق ایک استفسار کے جواب میں کہا گیا ہے کہ خواتین کا مردوں کے ساتھ مل جل کر کام کرنا جائز نہیں ایسی جگہوں سے دور رہنا ہی ان کے لیے مناسب ہے البتہ خواتین ایسا شائستہ اور مہذب ذریعۂ معاش تلاش کرسکتی ہیں جس میں مرد و زن کے اختلاط کی صورت نہ ہو۔

مصر کی قدیم اسکندریہ لائبریری جس کو نذر آتش کرنے کا الزام حضرت عمرؓ اور مسلمانوں پر عائد کیا تھا اور جس کی تشہیر زور و شور سے ہوتی رہی اور پھر علامہ شبلی نعمانیؒ کی تحقیق سے اس الزام کا ازالہ ہوا، ۲۰۰۲ء میں اس کے نزدیک ایک نیا وسیع و عریض مکتبہ "مکتبۃ الاسکندریہ" کے نام سے جدید طرز و آہنگ کے مطابق تعمیر کیا گیا تھا، یہ محض کتب خانہ نہیں بلکہ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ٹیکنیکل اور سائنسی بنیادوں پر تحقیق علوم و فنون اور فروغ و اشاعت تمدن کا مرکز بھی ہے۔ ۲۰۰ ملین ڈالر کے خرچ سے بنائے گئے اس کتب خانے میں ۸ ملین سے زیادہ کتابیں بیک وقت رکھی جاسکتی ہیں، گیارہ منزلہ اس پرکشش عمارت کا دار المطالعہ ستر ہزار مربع میٹر پر مشتمل ہے، بیرونی دیواروں پر موجود تحریر

۱۲۰؍زبانوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ترجمان ''اخبار تحقیق'' سے معلوم ہوا کہ مذکورہ یونیورسٹی کے نائب صدر اور ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر ڈاکٹر ظفر اسحاق نے اس عظیم کتب خانہ کا دورہ کیا اور دونوں علمی و تحقیقی اداروں کے مابین معاہدوں پر دستخط بھی ہوئے۔ کتابوں اور رسائل کا تبادلہ، تحقیقی مواد اور استنادی کتب میں علمی تعاون، مذاکرات اور کانفرنسوں میں شرکت کے لیے محققین کا تبادلہ، ایک دوسرے کی مطبوعات کی وقتاً فوقتاً نمائش کا اہتمام اور باہمی دلچسپی کے موضوعات پر کتابوں کی تالیف و تدوین اور ترجموں کا انتظام وغیرہ جیسے معاملات قابلِ ذکر ہیں۔

ارسیکا کے ترجمان رسالہ ''نیوز لیٹر'' کی اطلاع ہے کہ آٹھواں بین الاقوامی خطاطی مقابلہ ابوظبی کی وزارت ثقافت و تراث کے اشتراک سے منعقد ہوا۔ اس مقابلہ کو بیسویں صدی کے مشہور شامی خطاط محمد بدوی الدرانی (م ۱۹۶۷ء) کے نام سے منسوب کیا گیا۔ حسب روایت اس کو دس زمروں یعنی جلی ثلث، ثلث، نسخ، جلی تعلیق، جلی دیوانی، دیوانی، خط کوفی، رقعہ اور مغربی میں منقسم کیا گیا، مسابقہ میں مختلف ملکوں کے ۶۸۳ خطاطوں کے ۹۶۹ نمونے شامل کیے گئے۔ بین الاقوامی شہرت کے حامل ماہر خطاطوں اور نقادوں پر مشتمل جیوری نے فن کتابت کے اصولوں کی روشنی میں ان کا جائزہ لیا، جلی تعلیق کے فن پارے ماہرین کے معیار پر پورے نہ اترنے کے سبب مقابلہ میں شامل نہیں کیے جاسکے۔ اس کے برعکس جلی ثلث، نسخ اور دیوانی پر مبنی نمونے کثیر تعداد میں موصول ہوئے۔ شرکاء کو تشجیعی انعامات بھی دیے گئے، پاکستان کے واحد خطاط محمد اشرف ہیرا کو خط کوفی میں اول انعام دیا گیا، انعام یافتہ شہ پاروں کی نمائش استنبول میں ارسیکا کے صدر دفتر میں ہوئی۔ ترکی، مصر، انگلستان، کویت، عراق، ایران، شام، متحدہ عرب امارات، تونس، مراکش کے شرکاء نے خطاطی کے مختلف زمروں میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ہندوستانی خطاطوں کی اس فہرست میں عدم موجودگی یقیناً باعث افسوس اور قابل غور ہے۔

امریکا کے معروف رسالہ ''سائنس میگزین'' میں ناسا کے سائنس دانوں کے حوالے سے یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ چاند پر پانی کے علاوہ بڑی مقدار میں برف بھی موجود ہے۔ جن کو بہ آسانی سیال بنایا جاسکتا ہے۔ تازہ ترین تحقیق کے دوران ۱۵۵ لیٹر پانی تلاش کیا جاچکا ہے جو مٹی کے ساتھ برف کے چھوٹے چھوٹے ذرات میں موجود تھا۔ واضح ہو کہ گذشتہ برس ۹؍اکتوبر کو دو راکٹ تلاش آب کے

مقصد سے چاند پر بھیجے گئے تھے۔

نیدرلینڈ کی یوٹریچ یونیورسٹی میں ماہرین حیوانات کی ایک تحقیقی ٹیم نے اپنی تحقیق میں ثابت کیا ہے کہ پرندے نیند کے دوران گانا گانا سیکھتے ہیں۔ انہوں نے نیند کی اہمیت بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ نیند نہ صرف جسمانی راحت وسکون اور تازگی کا ذریعہ ہے بلکہ حقیقت میں وہ ایک ایسا ذہنی عمل ہے جو سوتے میں بھی سیکھنے کی صلاحیت کو سرگرم رکھتا ہے، حالت بیداری میں جو کچھ سنا گیا ہوتا ہے وہ عالم خواب میں ذہن و دماغ میں گردش کرتا ہے۔ بعض پرندے اپنی اسی صلاحیت سے سونے میں گانا گانا سیکھ جاتے ہیں اور جو کچھ وہ سوتے میں سیکھتے ہیں جاگنے کے بعد دہراتے ہیں۔ محققین نے یہ تحقیق ''زیبرا فنچ'' نامی پرندے پر کی ہے۔

اساتذہ کی تحقیقی و تدریسی صلاحیتوں کو نکھارنے کے مقصد سے بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبۂ تعلیم نے اعلیٰ تعلیم کی قومی اکیڈمیوں کے تعاون سے پانچ ہفتوں کا ایک ورک شاپ منعقد کیا، راولپنڈی، اسلام آباد کی یونیورسٹیوں کے ۱۳۰/اساتذہ نے اس میں حصہ لیا۔ اس سلسلہ میں مختلف جامعات سے ماہرین تعلیم کی خدمات حاصل کی گئیں تھیں۔ تدریس بہ طور پیشہ، تدریس کی منصوبہ بندی اور اس پر عمل درآمد، نصاب تعلیم کو بہتر بنانے کی تدبیر، طلبہ کی نفسیات، تدریسی مہارتیں، طلبہ کے استعداد کی پرکھ، ابلاغ کی صلاحیتیں اور محققین کے تحقیقی اسالیب پر شرکاء نے مفید گفتگو کی جس سے حاضرین نے بھرپور استفادہ کیا۔ اس کی افتتاحی تقریب میں یونیورسٹی کے ریکٹر پروفیسر فتح محمد ملک نے کہا کہ اعلیٰ تعلیم سے متعلق اساتذہ کی لیاقت و مہارت میں مسلسل اضافہ کے لیے اس قسم کی علمی اور تعلیمی سرگرمیاں پابندی کے ساتھ ملک بھر میں منعقد کی جانی چاہئیں۔

ایک عجیب وغریب اور دلچسپ خبر یہ بھی ہے کہ چند سال قبل جرمنی کے ایک ڈیوک نامی کتے کو یونیورسٹی نے بی ایف یعنی ''بیشلر آف فیتھ فللنس'' کی ڈگری دی گئی، کتے کو یہ سند ایک نابینا طالب علم کو سات برس تک متعینہ چھٹیوں کے علاوہ بلاناغہ یونیورسٹی پہنچانے کی خدمت کے عوض دی گئی۔ تعلیمی تاریخ کا غالباً یہ پہلا واقعہ ہے کہ کسی جانور کو بیشلر کی ڈگری دی گئی ہو۔

ک،ص اصلاحی

معارف کی ڈاک

حدیث نعمان بن بشیرؓ

مؤ ناتھ بھنجن۔
۲۰۱۰/۱۱/۲۱ء

گرامی قدر محترم مولانا محمد عمیر الصدیق ندوی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے مزاج گرامی بخیر ہو۔ناچیز کا مضمون ''حدیث نعمان بن بشیرؓ......''، آپ نے ضروری حذف واصلاح کرکے ''معارف'' (شمارہ اکتوبر ۲۰۱۰ء) میں شائع فرمایا۔اس کے لیے میں آپ کا تہ دل سے ممنون ہوں۔

صفحہ ۲۷۷ سطر ۷ و ۸ میں لگتا ہے کچھ سقط واقع ہوگیا ہے،مطبوعہ عبارت ''لہذا عدل یہی ہے کہ اولاد ذکور واناث کو ہبہ میں برابر دیا جائے'' غلط ہے،صحیح یہ ہے:

''لہذا جس طرح ترکہ میں للذکر مثل حظ الانثیین'' عین عدل ہے،اسی طرح ہبہ میں بھی عدل یہی ہے کہ اولاد ذکور کو اولاد اناث سے دوگنا دیا جائے''۔

اسی طرح صفحہ ۲۸۴ (حاشیہ) سطر ۵ میں ''برابر ملے'' غلط ہے،صحیح یہ ہے ''بڑا ملے''۔

مذکورہ عبارتیں جس بحث اور جس سیاق وسباق میں وارد ہیں اس پر ایک نظر ڈالنے سے مطبوعہ عبارتوں کا خطا ہونا ظاہر ہوجائے گا ، بہر حال امید ہے کہ تصحیح شائع کرنے کی زحمت فرمائیں گے۔

والسلام مع الاکرام
محفوظ الرحمٰن فیضی

المختصر فی سیرۃ نبی البشر......

مرکز الامام ابی الحسن،
رائے بریلی۔
۳؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

مکرمی ومحترمی گرامی قدر مولانا عمیر الصدیق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے بہ خیر و عافیت ہوں گے، اکتوبر ۲۰۱۰ء کا نظر نواز ہوا۔ بہت پسند آیا۔ خاص طور پر پہلا مضمون طبقات ابن سعد پر۔

مولانا کلیم صفات اصلاحی صاحب کی مرتب کردہ دوروزہ مصادر سیرت سمینار کی روداد بھی پڑھی اسی میں صفحہ ۳۰۶ کے آخر میں مولانا نے ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن کے مقالہ ''المختصر فی سیرۃ نبی البشر ﷺ'' کا تعارف وعلمی وتحقیقی جائزہ کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ یہ کتاب خدا بخش لائبریری پٹنہ کے نادر ذخیرۂ مخطوطات میں محفوظ ہے اور یہ دنیا کا واحد مخطوطہ ہے جس کی دوسری کاپی کہیں نہیں ہے۔

اس کتاب کے مصنف کا نام معارف میں مذکور نہیں، لیکن اگر اس سے مراد حافظ دمیاطی (م ۷۰۵ھ) کی کتاب ''المختصر فی سیرۃ سید البشر'' ہی ہے جس کا حوالہ خدا بخش لائبریری کے عربی مخطوطات کی دستی فہرست مسمی ''مفتاح الکنوز الخفیۃ جلد اول'' طبع ثانی صفحہ ۳۲۶ پر ہے، تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کتاب ۱۹۹۶/۱۴۱۶ھ میں دار التجاری للنشر والتوزیع مدینہ منورہ سے دکتور محمد الامین بن محمد محمود احمد الجکینی کی تحقیق ودراسہ کے ساتھ (المختصر فی سیرۃ سید البشر ﷺ) کے نام سے دو جلدوں میں (کل صفحات ۱۰۴۷) شائع ہو چکی ہے۔

مقدمہ میں محقق نے اس کتاب کے پانچ مخطوطات کا ذکر کیا ہے جس میں سے ایک مخطوطہ خدا بخش لائبریری کا بھی ہے، جسے انہوں نے نامکمل اور ناقص لکھا ہے۔ اس کے علاوہ مزید دو مخطوطوں سے انہوں نے استفادہ کیا ہے، جب کہ دو نسخوں کا انہیں علم تو ہوا مگر ان مخطوطوں کی نقل وہ حاصل نہ کر سکے۔

فقط والسلام

عبد الہادی اعظمی ندوی

مطبوعات جدیدہ

نصیحۃ المسلمین ترجمہ رسالۃ المسترشدین للمحارث المحاسبی: از مولانا محمد قمر الزماں الٰہ آبادی، ترجمہ حاشیہ مولانا عبداللہ کاپودروی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۴۸۸، قیمت درج نہیں، پتہ: مکتبہ دار المعارف، بی ۶۳۹/ ، وصی آباد، الٰہ آباد یوپی، مجلس معارف کاپودرہ وایا انکلیشور، ضلع بھروچ، گجرات اور دوسرے مکتبے۔

تیسری صدی ہجری کے باکمال عالم حدیث وفقہ امام حارث محاسبی اس لیے بھی ہم عصروں میں ممتاز ہیں کہ اسلام کی تعلیمات اور انسان کی تربیت کے نبوی منہج کی ترویج پر بھی انہوں نے خاص توجہ کی اور کئی رسائل اسی سلسلے میں ترتیب دیے، جن میں زیر نظر رسالۃ المسترشدین بھی ہے۔ یہ رسالہ بزرگوں کی نظر میں اس لیے ہمیشہ بڑا وقیع ومفید رہا کہ اس میں نصیحت، تذکیر اور بہترین اقوال کی شکل میں انسان کے لیے غذائے روح کا سامان ہے کہ اس سے یقیناً روحانیت کو قوت بھی ملتی ہے اور جلا بھی حاصل ہوتی ہے۔ مشہور محقق عالم شیخ عبدالفتاح ابو غدہ کو یہ نہایت بیش قیمت رسالہ، مخطوطے کی شکل میں ملا، انہوں نے اس پر حواشی وغیرہ لکھ کر شائع کردیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اس کے فاضل مترجم کو جنھوں نے اس نہایت مفید رسالہ کو اردو والوں کے لیے سرمہ بصیرت بنا کر پیش کردیا۔ ہمارے پیش نظر اس رسالے کا طبع ثانی ہے۔ فاضل مترجم کو اللہ تعالیٰ نے ملت کے لیے ایسی مفید کتابوں کی اشاعت کی خاص توفیق بخشی ہے، ہمارے سامنے مواعظ الاحسان اور اقوال سلف حصہ اول کے جدید ایڈیشن بھی ہیں، ان کتابوں کا ذکر پہلے بھی ان صفحات میں آچکا ہے، مولانا کے خطبات ہوں یا ترجمے، زبان کی سادگی اور مضمون کی روح کو دل میں اتارنے کی خوبی ایسی ہے کہ یہ ہر خاص وعام کی داد بے ساختہ حاصل کرلیتی ہے، مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی کی داد تو سند ہے کہ ''ان مضامین سے جو روحانی وقلبی مسرت حاصل ہوتی ہے وہ بیان سے باہر ہے''۔ زیر نظر کتاب کے مضامین اور اس کے ترجمہ و ترجمانی کے متعلق حضرت کے اسی قول کو مکرر نقل کیا جاسکتا ہے۔ ایسی کتابوں کی ہر گھر میں موجودگی اور ان کا مستقل مطالعہ آج کے ماحول ومعاشرے میں اور بھی ضروری ہے۔

علامہ اقبال اور بلوچستان: از ڈاکٹر انعام الحق کوثر، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۲۹۴، قیمت: ۳۰۰ روپے، پتہ: اقبال اکادمی، ۱۱۶ میکلوڈ روڈ، لاہور پاکستان۔

مطالعات اقبال کے بے شمار گوشوں میں ایک، مقامات اقبال کی تعیین بھی ہے، برصغیر کے کئی شہر اور علاقے محض اس لیے اقبال مند ہوئے کہ اقبال سے ان کی نسبت تھی۔ کشمیر اور سیالکوٹ سے بھوپال و حیدرآباد تک نقوش اقبال کی تلاش ہوتی رہی ہے، اسی سلسلے کی یہ کتاب بھی ہے جس میں بلوچستان کے بعض اقبالی شیدائیوں، انجمنوں اور اقبالیات میں بلوچی اہل قلم کی خدمات کو بیان کیا گیا ہے۔ فاضل مصنف کے بارے میں لکھا گیا کہ وہ بلوچستان کی معروف شخصیت ہیں اور اس تعارف یا شہرت میں اقبالیات سے ان کی شیفتگی کا بڑا دخل ہے۔ اقبال اور بلوچستان کے موضوع پر ان کی کئی کتابیں پہلے بھی شائع ہو چکی ہیں۔ زیر نظر کتاب گویا ان سب کا مجموعہ ہے اور یہ طبع سوم ہے، یعنی اس کو قبول عام بھی حاصل ہوا۔ بلوچستان سے اقبال کا تعلق کیسا تھا اور خود بلوچستان نے اقبال کو کس درجہ قبول کیا۔ یہ معلومات واقعی دلچسپ ہیں۔ اس سے دلچسپ بلوچستان کا جغرافیائی تعارف ہے لیکن سب سے دلچسپ آغاز سخن ہے۔ جس میں بلوچستان کے حسن اور کلام اقبال کے جمال کو باہم بڑی خوبصورتی سے آمیز کیا گیا ہے، جہاں بلندی و پستی ہو، بگولے اور برف ہوں تنک آب دریا اور خشک ندی نالوں کے منظر کے ساتھ مچلتے ہوئے چشمے بھی ہوں، کوہسار خوابیدہ ہوں اور ہر لحظہ چونک پڑنے والی وادیوں کی بے قراری بھی ہو، وہاں کلام اقبال میں موجود

ع ہوائے دشت و شعیب و شبانی شب و روز

کا طلسم معانی خود بخود اپنے اسرار کو فاش کرتا نظر آتا ہے۔

نقوش تاباں: از مولانا سید محمد منت اللہ رحمانیؒ، مرتب جناب حافظ محمد امتیاز رحمانی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۲۱۶، قیمت: ۶۰ روپے، پتہ: دار الاشاعت، خانقاہ رحمانی، مونگیر، بہار اور دیوبند کے مکتبے۔

آزادی ہند کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں جن صاحبان دعوت و عزیمت کا ذکر کیا جائے گا ان میں ایک اہم نام مولانا منت اللہ رحمانی کا ناگزیر ہوگا۔ دین کی اشاعت و فروغ کے لیے تعلیم و تربیت ہو یا شریعت پر ہونے والوں حملوں کا دفاع ہو۔ معاملہ فہمی اور اصابت رائے

میں ان جیسے بہت کم تھے۔اسی لیے وہ اختلاف فکر ونظر کے باوجود حرف اعتبار واتحاد کی شکل میں ابھرتے اور روشن ہوتے رہے۔ان کی تحریروں اور تقریروں پر مشتمل چند تابندہ نقوش زیرنظر کتاب میں جمع کیے گئے ہیں فلسطین، مسلم پرسنل لا، بنیادی دینی تعلیم، عربی زبان وادب، امارت شرعیہ، زندگی کی بنیادی ضرورت، دارالقضا، نئی نسل، علمائے کرام کی ذمہ داریاں جیسے عنوانات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا مرحوم کے فکر ونظر کا محور اور دائرہ کیسا تھا۔مولانا سید محمد رابع ندوی کا یہ قول برحق ہے کہ یہ سب خطبات قیمتی ہیں، علمی وادبی اور تاریخی حیثیت سے اور مصنفؒ کی دردمندی اور فکر کی ارجمندی کے اعتبار سے بھی۔

اجالے ماضی کے: از ڈاکٹر ابوطالب انصاری، متوسط تقطیع، کاغذ وطباعت مناسب، صفحات ۱۸۴، قیمت: ۹۰ روپے، پتہ: رحمانی پبلی کیشنز ۱۰۳۲۰، اسلام پورہ، مالیگاؤں (ناسک)۔

اجالوں کی تلاش میں اس کتاب کے لائق مصنف نے اپنا دست طلب دراز کیا اور وہ کامیاب بھی ہوئے۔نیت یہی تھی کہ ان اجالوں کی روشنی میں قوم وملت اپنے اسلاف کو اور ان کے اس شاندار ورثہ کو دیکھ سکے جس کی وجہ سے کبھی یہ امت بھی پرثروت تھی۔اس کوشش میں امت کے ہر طبقے کی نمائندہ شخصیتوں کا انتخاب کیا گیا۔یہ تعداد ظاہر ہے سینکڑوں سے متجاوز ہے اس لیے اختصار سے ہی سہی ایک جامع اشاریہ تیار ہوگیا۔مصنف نے برسوں کی محنت وجستجو کے بعد اجالوں کی یہ دنیا دریافت کی ہے۔نئی نسل کے لیے اس میں عبرت وحیرت دونوں کا سامان ہے، اس لیے اس کی پذیرائی ضروری ہے۔لائق مصنف ایسی مفید، پرازمعلومات اور کارآمد کتاب کے لیے دل سے تحسین وتبریک کے مستحق ہیں۔

غزلیات میکش: مرتب ڈاکٹر انور حسین خاں، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات ۱۳۶، قیمت: ۱۰۰ روپے، پتہ: دانش محل بک ڈپو، امین آباد لکھنؤ اور اخلاق حسین خاں، قصبہ ڈاک خانہ نیورہ، ضلع فیض آباد۔

میکش لکھنوی نے بیخود موہانی کے مشورے سے مشق سخن شروع کی، برسوں صحافت کے میخانوں میں بادہ پیمائی بھی کی، آخر عمر میں یہ کھلا کہ ع مجھ کو جانا ہے کہاں خود مجھے معلوم نہیں۔

بالآخر ردولی کے قریب ایک گاؤں کی مٹی نے پیر پکڑ لیے اور پھر اسی مٹی سے جا ملے، بہزاد، سالک، سراج اور عمر انصاری جیسے مشاہیر لکھنوی شاعر کے ہم نشین رہے۔ کلام بھی ان سے کہیں کم نہیں، اپنا حال سناتے رہے

ملا نہیں دل گم گشتہ کا سراغ مجھے تمام عمر ترے در کی خاک چھانی ہے

پلا دی بادۂ توبہ سبھی کو واعظ نے بس ایک میکش پرہیز گار باقی ہے

وہ میری آہ کی تاثیر تھی یا اس کی ضد وہ بے قرار ہوا جب مجھے قرار آیا

لکھنؤ سے دور رہے لیکن لکھنویت ہمیشہ ساتھ رہی

میں نے پوچھا تھا زخم دل کا علاج اس نے بھیجا نمک جواب کے ساتھ

ساقیا اپنے حسن کا صدقہ اک ذرا سی گزک شراب کے ساتھ

حسن زبان اور حسن نظر رکھنے والے ایسے شاعر کی خوش گوئی کو لائق مرتب نے جس خوبی سے ایک پر کیف سرمایہ سخن کی شکل میں پیش کیا ہے وہ واقعی قدر کے لائق ہے۔ اس سے پہلے بھی وہ اودھ کے خطہ خاص خصوصاً بارہ بنکی کے کئی گم نام لیکن باکمال نیک ناموں کو زندہ کر چکے ہیں۔

طلوع سحر: از جناب ابو الفیض عزم سہریاوی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۲۶۸، قیمت: ۲۰۰ روپے، پتہ: B-274، المرتضیٰ اپارٹمنٹ III فلور، اوکھلا جامعہ نگر، نئی دہلی۔

اس خوبصورت مجموعہ کلام کے شاعر گو اپنی خاموش طبیعت کی وجہ سے زیادہ مشہور نہیں ہیں لیکن قریب نصف صدی سے مشق سخن جاری ہے۔ ایک حمدیہ و نعتیہ مجموعہ سحاب رحمت کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے۔ زیر نظر مجموعہ غزلوں پر مشتمل ہے، حمد و نعت سے آغاز ہے۔ آخر میں دوہے اور قطعات بھی ہیں، شاعر کو اپنے فکر و فن پر اعتماد ہے اس درجہ کہ اس کے نزدیک تمام لفظ و معانی، لعل و گہر ہیں اور یہ بھی کہ وہ بے اثر نہیں، کلام میں کچھ تو دل کی باتیں ہیں لیکن زیادہ حکایتیں غم دوراں کی ہیں۔ ایک شعر میں اپنے تبصرہ نگار سے یہ سوال بھی کرتے ہیں کہ

ع داستان غم ہے اس کو جاں فزا لکھو گے کیا

طلوع سحر سے فال نیک کی گنجائش ہے کہ ان کی شاعری کا سورج اور بھی روشن ہوگا۔ ع - ص